خالی ہاتھ

اے خیام

www.taemeernews.com

''جو لوگ دورِ جدید کے افسانوں کا مطالعہ کرتے رہے ہیں، وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ آج کا افسانہ، روایتی افسانے کی طرح صرف کہانی بیان نہیں کرتا۔ زندگی کے تلخ حقائق، اقدار کی شکست و ریخت اور زندگی کی بے معنویت اور بے سمتی کا نوحہ بھی پیش کرتا ہے اور جبر و استحصال کے خلاف صدائے احتجاج بھی بلند کرتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کا انداز ترقی پسند افسانہ نگاروں سے مختلف ہے اور اسلوب براہ راست اور بلند آہنگ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جینوین افسانہ نگاروں کے افسانوں میں فکری گہرائی پائی جاتی ہے اور انھوں نے بعض ایسے افسانے بھی لکھے ہیں جو اس سے قبل نہیں لکھے گئے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ آج کے معروضی حالات، ماضی قریب کے حالات سے مختلف ہیں.....

.....

www.taemeernews.com

خالی ہاتھ

اے۔خیام

افسانے

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

Khali haath
(short-stories)

By: A. Khayyam

خالی ہاتھ (افسانے)

اے۔خیام

پہلی اشاعت: فروری ۲۰۰۵ء

سرورق: سونیا

کمپوزنگ: میڈیا گرافکس، اے۔۹۹۷، سیکٹر ۱۱۔اے، نارتھ کراچی

طابع: احمد برادرس، ناظم آباد، کراچی

قیمت: ۱۶۰ روپے

رابطہ: اے۔۹۹۷، سیکٹر ۱۱۔اے، نارتھ کراچی۔فون: 698 6091

ناشر: میڈیا گرافکس، A-997، سیکٹر۔11A، نارتھ کراچی۔75850

تقسیم کار: ویلکم بک پورٹ، اردو بازار، کراچی۔

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

www.taemeernews.com

خالی ہاتھ

میرا ادبی نظریہ ۹

افسانے

خالی ہاتھ ۱۵

صدی کی آخری کہانی ۲۷

نجات دہندہ ۴۱

بے زمین ۵۳

چہار درویش ۶۷

نامُراد ۵۷

اچھے پیر کا مزار ۸۵

تجدید ۹۳

ہر فن مولا ۱۰۳

انکشاف ۱۱۳

وارث لاوارث ۱۲۵

ایک بہت لمبی رات ۱۳۳

وائلڈ لائف ۱۴۵

انٹرنیشنل پارک ۱۵۷

گنی پگ ۱۶۷

☆☆☆

www.taemeernews.com

اپنے افسانوں کی پہلی قاری عصمت کے نام

جو میری زندگی کی بھی پہلی قاری ہے

اور

جس نے

چھوٹی بڑی خوشیاں چُننے

اور

بڑے بڑے دکھ جھیلنے میں

ہمیشہ میرا ساتھ دیا

اور

زندگی کو اس قابل بنایا کہ اسے بسر کیا جا سکے

—— اے خیام

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

میرا ادبی نظریہ

میرا پہلا افسانہ ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا اور میرے منتخب افسانوں کا پہلا مجموعہ ''کپل وستو کا شہزادہ'' ۱۹۹۳ء میں۔ یعنی تیس اکتیس سالوں کی کارکردگی۔ اس کے بارہ سالوں کے بعد میرے منتخب افسانوں کا دوسرا مجموعہ ''خالی ہاتھ'' اب آپ کے پیش نظر ہے۔

میں تواتر سے افسانے لکھنے اور مجموعے شائع کرانے کا قطعی قائل نہیں۔ اگر میں ایک ہی طرح کے افسانے لکھ رہا ہوتا تو اس دوسرے مجموعے کی اشاعت کی ضرورت بھی پیش نہ آتی۔ ایک ہی اسلوب، ایک ہی طرح کے موضوع، ایک ہی رجحان کے افسانے آخر کتنی تعداد میں لکھے جائیں، اور کتنے مجموعے ترتیب دیئے جائیں۔ البتہ اگر کچھ واضح تبدیلی آئی ہے، رجحان میں، اسلوب میں، موضوعات کے انتخاب میں، چیزوں کو محسوس کرنے کے طریقے میں، تو یقیناً اس تبدیل شدہ صورت کو منظر عام پر بھی آنا چاہئے۔ سو میں نے یہی کیا ہے۔

''کپل وستو کا شہزادہ'' کسی اور رجحان کی نمائندگی کر رہا تھا۔ ''خالی ہاتھ'' اُس مجموعے کے افسانوں سے یکسر مختلف ہے اور یہی میرے دوسرے مجموعے کی اشاعت کا جواز ہے۔ ممکن ہے

www.taemeernews.com

اِس مجموعے کے افسانوں پر ''مابعد جدیدیت'' کا لیبل لگے، لیکن میں واضح طور پر یہ کہنا چاہوں گا کہ میں کسی ''تھیوری'' کو مدِ نظر رکھ کر افسانے نہیں لکھتا۔ ہر فنکار کا اپنا ایک زاویۂ نظر ہوتا ہے، وہ اپنے طور پر دیکھتا، محسوس کرتا اور لکھتا ہے۔ اسے فنکار کا خاص زاویۂ نظر یا ''ادبی نظریہ'' بھی کہہ سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں، میں ایک بہت فعال ادبی انجمن ''مجلسِ احبابِ ملّت'' کا ذکر کرنا چاہوں گا۔ ایک مرتبہ اس انجمن کے تمام اراکین کو ''میرا ادبی نظریہ'' کے موضوع پر لکھنے کی دعوت دی گئی۔ میں نے جو کچھ لکھا تھا اسے میں یہاں پیش کر رہا ہوں۔ ممکن ہے یہ تحریر میرے ذہن، میرے افسانوں کو سمجھنے اور ان کے متعلق رائے قائم کرنے میں معاون ثابت ہو:

کبھی کبھی کسی بہت اچھے شعر کے دیرپا تاثر کے پیشِ نظر یہ سوچنے کو دل چاہتا ہے کہ یہ شعر آخر اچھا کیوں لگا۔ اس کا تاثر مجھ پر اتنا گہرا اور دیرپا کیوں ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ میں اپنے ادبی نظریے کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے اپنے پسندیدہ ترین صنف فکشن کو ہی حوالہ بناؤں۔ تو اس حوالے سے بھی مجھ پر کچھ ایسی ہی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اکثر میں نے سوچا ہے کہ کوئی افسانہ مجھے پسند کیوں آیا؟ کوئی ایک افسانہ نگار مجھے سب سے زیادہ پسند کیوں ہے؟ اس کے بیشتر افسانے مجھے حیرت انگیز مسرتوں سے دوچار کیوں کرتے ہیں؟

زیادہ غور و فکر کا عادی نہ ہونے کے باوجود کبھی کبھی غور و فکر کرنے کو جی چاہتا ہے، بلکہ اس کی ضرورت بھی محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے سوچتا ہوں کہ کیا کوئی تحریر اس لئے دیرپا تاثر قائم کرتی ہے کہ وہ تحریر کسی ادبی نظریے کے تحت وجود میں آئی تھی؟ یا یہ کہ وہ تحریر اس لئے بڑی اور عظیم کہلانے کی مستحق ہے کہ وہ کسی ادبی نظریے کی کسوٹی پر پوری اترتی ہے؟

اس طرح کے بہت سارے شکوک ذہن میں جنم لیتے ہیں اور میں اکثر اس طرح کے

www.taemeernews.com

شکوک کو خود ہی مسترد بھی کر دیتا ہوں۔ میری نظر میں روسی اور امریکی فکشن نگار بھی ہیں اور فرانسیسی اور جرمن نثر نگار بھی۔ تھوڑی بہت یورپی، عربی، افریقی، بنگالی، ہندی اور اردو ادب کی شہکار تحریریں بھی زیر مطالعہ رہی ہیں۔ ان سب پر اگر غور کرتا ہوں تو کئی سوال پیدا ہوتے ہیں کہ کیا یہ کسی ادبی نظریے کی تابع تھیں؟ کیا ان کے لکھنے والے کسی ادبی نظریے سے گہری وابستگی رکھتے تھے؟ کیا ان کے پیش نظر کارل مارکس یا ہیگل تھا یا کیر کے گارڈ اور سارتر تھا؟ کیا وہ ترقی پسند تحریک، جدیدیت پسند تحریک یا کسی رومانی تحریک کو مدنظر رکھتے تھے؟ وہ 'ادب برائے زندگی' کے قائل تھے یا 'ادب برائے ادب' ان کا شیوہ تھا؟ اور کیا اس طرح کی وابستگی یا انہیں مقدم رکھتے ہوئے کسی بڑی تحریر کی تخلیق ممکن ہے؟ اہمیت کس بات کی ہے؟ فن کی یا نظریے کی؟ جنہوں نے موجود نظریوں کو مقدم جانا وہ ادب میں آج کہاں کھڑے ہیں؟ اور جنہوں نے کسی نظریے سے وابستگی کے باوجود ادب میں فنی اہمیت کی زیادہ پاسداری کی وہ آج کس مقام پر فائز ہیں؟

ان سوالوں کے جواب میں مہیا کرتا ہوں تو اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ بڑے قلم کاروں کے پیش نظر فن تو تھا کوئی موجود ادبی نظریہ نہیں۔ کسی ادبی نظریے سے وابستگی بھی ان کے نزدیک ثانوی حیثیت رکھتی تھی، مقدم نہیں تھی۔ اپنی تحریروں کے لئے انہوں نے اچھی طرح سوچے سمجھے اصول وضع کر رکھے تھے اور ان پر ہی عمل کرتے تھے۔ اگر ہم اردو فکشن کے حوالے سے بات کریں تو کچھ بڑے ناموں کو مثال کے طور پیش کر سکتے ہیں۔ قرۃ العین حیدر ترقی پسند تحریک میں شامل رہی ہیں لیکن کیا ان کی کسی بھی تحریر پر ترقی پسند نظریے کی چھاپ نظر آتی ہے؟ راجندر سنگھ بیدی ترقی پسند تحریک سے منسلک رہے ہیں لیکن ان کی کسی تحریر سے کسی نظریے یا معروف معنوں میں ترقی پسندی کی بو آتی ہے؟ غلام عباس کی تحریر سے کیا اندازہ لگایا جا سکتا ہے یا منٹو کس نظریے سے وابستہ نظر آتے ہیں؟ لیکن ان سبھوں کے نزدیک زندگی کے مختلف پہلوؤں کو دیکھنے کا اپنا ایک انداز تھا،

www.taemeernews.com

پیشکش کا اپنا ایک طریقۂ کار تھا، اور موضوعات کے انتخاب میں وہ پوری طرح آزاد تھے۔

موضوع وہ بھی ہوسکتا ہے جو سب کو نظر آتا ہے اور وہ بھی جو عام نظروں سے اوجھل رہتا ہے لیکن فنکار کو نظر آجاتا ہے۔ موضوع کوئی سماجی مسئلہ بھی ہوسکتا ہے اور انتہائی ذاتی اور داخلی محسوسات بھی موضوع ہوسکتے ہیں لیکن اہم یہ ہوتا ہے کہ اس موضوع پر قلم اٹھاتے ہوئے کوئی فن کو کس طرح برتتا ہے، تار و پود کو کس طرح جمع کرتا ہے، پروتا ہے، بنت کاری کس طرح کرتا ہے۔ وہ چراغ کو موضوع بناتا ہے یا چراغ تلے پھیلے اندھیرے کو، سکّے کے سامنے والا رخ اسے متوجہ کرتا ہے یا وہ دوسری طرف جھانکنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ کس زاویے سے چیزوں کو دیکھتا ہے، اسے زندگی کے روشن پہلو میں کشش محسوس ہوتی ہے یا اسے زندگی کے تاریک پہلو اپنی طرف کھینچتے ہیں؟

کوئی بھی ادبی تحریک یا نظریہ..... ترقی پسندی یا نو ترقی پسندی، جدیدیت یا مابعد جدیدیت، تشکیل یا رد تشکیل، ساختیات یا پس ساختیات..... قلمکار پر یقیناً اثر انداز ہوتے ہیں اور اسے ایک حصار میں بھی رکھنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ایک اچھا فنکار انہیں خود پر مسلط نہیں ہونے دیتا۔ البتہ اس حصار میں رہتے ہوئے اسے 'حال' میں رہنے کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ اس 'حال' میں، جس میں وہ سانسیں لے رہا ہے، جہاں کے رسوم و قیود کو وہ جھیل رہا ہے، جہاں کے دکھوں سے وہ آشنا ہو رہا ہے، جہاں سے چھوٹی چھوٹی مسرتیں حاصل کر رہا ہے..... اور جہاں کی متضاد کیفیات اس پر اثر انداز ہو رہی ہیں۔

چیخوف نے کہا تھا کہ اس کے نزدیک افسانہ نگاری ایک مجسمہ سازی کی طرح ہے، پتھر کو تراشتے جاؤ، تراشتے جاؤ حتیٰ کہ وہ صورت نکل آئے جو تمہارے تصور میں، تمہارے ذہن میں موجود ہے۔ اسی طرح ایک ادبی نشست کے اختتام پر، جس میں ایک افسانے پر بڑی زوردار تنقید ہوئی تھی، ایک خاتون نے علی حیدر ملک سے کہا کہ افسانہ پلاٹ، موضوع، کردار اور تھیم کے اعتبار سے مکمل تو

www.taemeernews.com

تھا، پھر اتنی تنقید کیوں؟ علی حیدر ملک نے خاتون سے کہا تھا کہ بی بی! تم تو عورت ہو، روٹی بھی پکاتی ہوگی، کیا آٹے کو خوب اچھی طرح گوندھے بغیر اچھی روٹی پکانے کا تصور کر سکتی ہو!۔

چیخوف نے بات جہاں تک کی تھی میں پوری طرح اس سے متفق ہوں لیکن میں کچھ اور آگے بھی جانے کی کوشش کروں گا۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ چیخوف نے افسانہ نگاری کو پتھر تراش کر مجسمہ بنانے کی مشکلات سے مشابہ تو قرار دیا لیکن اس نے اس درد، اس تکلیف، اس کرب کو محسوس کیوں نہیں کیا جو اس پتھر نے جھیلا؟ اس پر ہتھوڑے برسے، اسے ریزہ ریزہ کیا گیا، اس کی قدرتی ساخت مجروح ہوئی تو اس پتھر نے بھی تو کچھ محسوس کیا ہوگا! اور پھر مجسمہ کیا اس تراشیدہ پتھر کی آخری شکل ہے یا اس مجسمے کے اندر بھی کوئی ایسی شے ہے جسے محسوس کیا جا سکے..... کیا اس کے اندر بھی کوئی دل دھڑک رہا ہے؟ اور کیا افسانہ نگار اس دھڑکن کو محسوس کر رہا ہے؟

افسانہ نگاری میرے نزدیک تمام متعلقہ محسوسات کو اسیر کرنے کی کوشش ہے۔ کوئی بھی احساس، کوئی بھی موضوع، کوئی بھی تھیم، کوئی بھی کردار فوری طور پر اپنا تاثر قائم نہیں کرتا، اسے دنوں، مہینوں اور کبھی کبھی سالوں اپنے ذہن میں بسانا پڑتا ہے، اس کی انتہائی احتیاط، انتہائی باریکی اور انتہائی مہارت کے ساتھ پرورش و پرداخت کرنی پڑتی ہے اور تب تراش خراش کے مراحل سے گزارنے کے باوجود بھی احساس کی روح کو برقرار رکھنا فنکار کا کام ہوتا ہے۔

ادبی نظریات، ادبی تحریکیں، تنقیدی تھیوریاں ..... یہ سب ثانوی حیثیت رکھتی ہیں اور دوسرے درجے کی چیزیں ہیں۔ یہ چیزیں کسی سچے فنکار کو ڈکٹیٹ نہیں کر سکتیں۔ تھوڑی سی تنقیدی صلاحیت تو ہر اچھے فنکار میں موجود ہوتی ہی ہے۔ اس لئے کوئی ایسا قلمکار جو اپنا فنی حوالہ کسی تحریک سے وابستہ کرتا ہے، کسی نظریے کا پابند ہو کر تخلیقات کو ترتیب دیتا ہے، وہ سچا فنکار نہیں ہو سکتا، ذاتی حوالہ خواہ کچھ بھی ہو۔

www.taemeernews.com

ادب پروپگینڈہ نہیں ہوتا، تشہیر کا ذریعہ نہیں ہوتا، بلکہ خود ادیب کی شہرت کا ذریعہ بھی نہیں ہوتا۔ ادب کی پیشکش تخلیق کاری کا عمل ہے، ایک بے لوث کمٹمنٹ ہے، کسی طرح کے صلے کی لالچ سے بے نیاز..... تخلیقی عمل انتہائی دشوار گزار، پیچیدہ اور ذہنی اضطراب کا عمل ہوتا ہے۔ یہ ایک خالص عمل ہے، اس میں ملاوٹ نہیں ہوسکتی۔ یہ سرتاسر خلوص، نیک نیتی اور سچ کے اظہار کا متقاضی ہے۔ یہ ایک ذمہ داری ہے۔ شہرت کے حصول کے لئے بہت سارے ذرائع موجود ہیں لیکن اگر ادب ہی شہرت کا حوالہ بن جائے تو یہ فنکار کے لئے ایک خصوصی خراج ہوتا ہے۔ میرے نزدیک افسانہ نگاری ایک ذمہ داری ہے۔

✿✿

www.taemeernews.com

۱۵

خالی ہاتھ

دونوں پستول تانے اتنی تیزی سے ان کے سروں پر آ کھڑے ہوئے کہ ان پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔ وہ بھونچکے سے انہیں خالی خالی نظروں سے دیکھتے رہے۔ جسم کی ساری طاقت جیسے کسی نے سلب کر لی تھی۔ ان دونوں نے نہ کوئی نقاب اوڑھ رکھا تھا اور نہ ہی ڈھائے باندھے تھے۔ جینز کی پتلون، پھولدار قمیض اور جوگرز میں چوکنے چوکنے سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بڑے اسمارٹ لگ رہے تھے۔ انہیں جیسے علم تھا کہ دوسری طرف سے کوئی مزاحمت نہیں ہوگی۔ ایک بوڑھے مرد اور ایک بوڑھی عورت کو سنبھالنا ان کے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہوگا۔

''سنو، جو کچھ ہے نکال کر رکھ دو اور الماریوں کی چابیاں ہمارے حوالے کرو۔''

ابھی رات زیادہ نہیں گزری تھی۔ سڑک پر ٹریفک رواں دواں تھی جس کی آواز گھر کے اندر تک آتی تھی۔ دونوں سکتے کے عالم میں ٹی وی اسکرین پر نظریں جمائے ہوئے تھے جبکہ انہیں کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ان میں سے ایک کی آواز سن کر بڑی بی کچھ ہوش میں آئیں۔

''ہمارے پاس کیا دھرا ہے بیٹا۔''

''تم تو یہ دونوں چوڑیاں اتار دو بڑی بی۔ الماری اور بکسوں کی چابیاں بھی نکالو بلکہ خود ہی انہیں

www.taemeernews.com

کھول دو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے ورنہ ہمارے ہاتھوں میں جعلی پستول نہیں ہیں۔''

اب بڑے میاں بھی حواسوں میں واپس آ چلے تھے۔

''میاں صاحبزادے..... بڑے غلط گھر کا انتخاب کیا ہے تم نے۔ اس گھر میں بھلا اب کیا رکھا ہے۔ پنشن اور ایک بیٹی کی کمائی پر تو گزر بسر ہوتی ہے۔ ذرا نظریں تو دوڑاؤ چاروں طرف۔''

بڑے میاں کے کہنے پر ان دونوں نے گھر کا جائزہ لیا۔

دو کمرے اور ایک لاؤنج..... لاؤنج میں پرانے صوفے، ایک ٹی وی، ایک طرف بک شیلف جن میں کتابیں بھری ہوئی تھیں۔ ایک کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا جس میں دو مسہریاں بچھی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ دیوار میں بنی ہوئی بڑی سی الماری جس میں چابی لٹک رہی تھی۔ الماری کے اوپر دو سوٹ کیس بھی نظر آئے اور ایسا لگتا تھا کہ ان میں کوئی تالا نہیں لگا ہوا تھا۔ دوسرے کمرے کا دروازہ البتہ بھڑا ہوا تھا۔

''ہم خود دیکھ لیں گے کہ گھر میں کیا ہے اور کیا نہیں ہے۔ نقدی اور زیورات خاموشی سے یہاں لا کر رکھ دو۔'' ان میں سے ایک نے پستول سے اشارہ کیا۔

بڑی بی نے اپنے ایک ہاتھ میں پہنی ہوئی دو سونے کی چوڑیاں اتار کر اس کی طرف بڑھا دیں جسے اس نے لے کر ایک خالی صوفے پر بڑی حقارت سے پھینک دیا۔

پھر ان دونوں نے آنکھوں آنکھوں میں کچھ اشارے کئے اور ان میں سے ایک کمرے میں گھس گیا۔ سب سے پہلے اس نے بستر کو الٹا پلٹا اور تکیے کے نیچے سے کپڑے کے سلے ہوئے بٹوے کو نکال لیا۔ اسے کھول کر دیکھا۔ تین چار، سو روپے والے اور کچھ چھوٹے نوٹ نظر آئے۔ اس نے لاپرواہی سے اسے بستر پر ڈال دیا۔ الماری کھولی تو اسے پرانے کپڑوں اور چند الا بلا چیزوں کے علاوہ کوئی اہم چیز نظر نہیں آئی۔ الماری کے اوپر سے سوٹ کیس اتار کر فرش پر الٹ دیا۔ اس میں بھی گرم اور پرانے کپڑے ہی تھے۔ وہ پھر لاؤنج میں واپس آ گیا، کتابوں کی طرف نظر ڈالی

www.taemeernews.com

اوران کتابوں کوفرش پر ڈھیر کرنا شروع کر دیا۔ شاید وہ سمجھ رہا تھا کہ کتابوں میں نقدی رکھ دی گئی ہوگی۔اس میں بھی انہیں مایوسی ہوئی۔

''میاں تم لوگ اپنا وقت برباد کر رہے ہو، ایک ریٹائرڈ شخص کے یہاں تمہیں کیا ملے گا۔ جو کچھ نقدی موجود ہے وہ اسی بٹوے میں ہے اور زیور کے نام پر دو چوڑیاں ہیں۔قیمتی چیزوں میں اس ٹی وی کے علاوہ گھر میں اور کچھ نہیں۔ یہ ہم بوڑھوں کی دل بستگی کے لیے ہے۔تم اگر چاہو تو یہ لے جاؤ۔''

''بڑے میاں تم بہت بول رہے ہو۔ میں نے کہا نا کہ ہم خود دیکھ لیں گے۔''

اس نے پستول ان کی کنپٹی سے لگا دیا۔

''تم ہمیں موت سے ڈراتے ہو۔ہم تو خود ہی موت کو گلے لگانے کو تیار بیٹھے ہیں۔اب کیا رکھا ہے زندگی میں۔''

''خاموش رہو ورنہ تمہارے منہ میں کپڑے ٹھونس کر ٹیپ لگا دوں گا۔''

بڑے میاں خاموش ہو گئے۔

ان میں سے ایک نے بند دروازے کی طرف دیکھا۔

''وہاں میری بیٹی سو رہی ہے۔ وہاں کوئی قیمتی چیز نہیں۔اسے دہشت زدہ مت کرو۔ یقین کرو جو کچھ میں نے کہا ہے اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں گھر میں۔''

ایک نے دوسرے کی طرف دیکھا۔اس نے بڑھ کر ٹی وی کی آواز بڑھا دی۔

''ہم تم لوگوں کو نقصان نہیں پہنچائیں گے لیکن خاموش بیٹھے رہو۔'' ایک نے کہا اور دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

''بیٹا بات سنو۔اس کمرے میں جتنی بھی قیمتی چیزیں ہیں میں تمہیں سب لا دیتی ہوں۔تم لوگ یہیں ٹھہرو۔'' بڑی بی بول پڑیں۔

www.taemeernews.com

''نہیں تم میں سے کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا۔ میں خود دیکھوں گا۔''

''بیٹا تمہیں اللہ رسول کا واسطہ۔ بٹی کی جتنی چیزیں ہیں میں وہ سب تمہیں لا دیتی ہوں۔''

دونوں گھر کی چیزوں کو پرکھتے رہے لیکن انہیں اپنی جگہ سے ہلنے کی اجازت نہیں دی۔

''یار یہ تو بالکل کنگلے ہیں۔ خواہ مخواہ وقت برباد ہوا۔'' ایک نے دوسرے سے کہا۔

تبھی پولیس موبائل کے سائرن کی آواز سنائی دی۔ سب کی نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ ان دونوں نے اندر گھس کر دروازے کی چٹخنی لگا دی تھی۔ بڑے میاں ان دونوں کو دیکھ رہے تھے جن کے چہروں پر خوف کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ سائرن کی آواز دور ہوتی چلی گئی۔

ان میں سے ایک نے پھر بند کمرے کی طرف دیکھا، پھر بڑی بی کی طرف۔

''دیکھو بیٹا، تم لوگ اچھے خاندان کے لڑکے معلوم ہو رہے ہو۔ مجھے جانے دو، میں کوئی شور نہیں مچاؤں گی۔ اس کمرے کی ہر قیمتی چیز یہیں لا دیتی ہوں۔''

''بڑی بی تم کچھ دیر خاموش نہیں بیٹھ سکتیں۔'' ایک نے بڑی بی کو جھڑک دیا۔

لاؤنج میں ٹی وی کی آواز کے علاوہ اور کوئی آواز نہیں تھی اور نہ ہی کوئی ٹی وی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''ٹی وی بند کر دوں۔'' بڑے میاں نے جیسے اجازت چاہی۔

''نہیں، اسے چلنے دو۔''

دونوں پستول ہاتھ میں لیے تاسف سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر بڑی بیزاری سے بڑے میاں اور بڑی بی کی طرف دیکھا۔

''کیا سب کچھ اس کمرے میں ہے جس میں جانے سے تم لوگ ہمیں روک رہے ہو؟''

''ہم تمہیں کیسے روک سکتے ہیں۔ لیکن اسے دہشت زدہ کرنے سے کیا فائدہ۔ ممکن ہے وہ شور مچا دے اور تم لوگ کسی مشکل میں پھنس جاؤ۔''

دونوں ہنسنے لگے۔

''ہماری مشکلات کی فکر تم لوگ مت کرو۔''

''میں تمہیں اس کمرے کی چیزیں لا دیتی ہوں۔'' بڑی بی اٹھنے لگیں۔

''بیٹھی رہو، بیٹھی رہو۔ میں خود دیکھ لوں گا۔''

''بیٹا ہمارے حال پر رحم کرو۔ میں اپنی اولاد کی قسم کھا کر کہتی ہوں، میں سب چیزیں خوشی سے لا کر تمہارے سپرد کر دوں گی، میں تم لوگوں سے کیا چالاکی کر سکتی ہوں۔'' بڑی بی بڑی لجاجت سے بولیں۔

''زیادہ بیٹا بیٹا مت کرو بڑی بی۔ ہم یہاں رشتے بنانے نہیں آئے۔ خاموش ہو جاؤ۔''

بڑی بی خاموش ہو گئیں۔

پھر وہ دونوں اس طرح ایک صوفے پر بیٹھ گئے جیسے مہمان آئے ہوں۔ بڑے میاں اور بڑی بی صوفے پر ایک دوسرے کے اور قریب سرک گئے۔

وہ دونوں بھی خاموشی سے ٹی وی دیکھتے رہے جیسے ان کا کام ختم ہو گیا ہو۔

''اس کمرے میں کتنے لوگ ہیں۔'' کچھ دیر بعد ان میں سے ایک نے پوچھا۔

''صرف ایک بیٹی ہے وہاں۔''

''اور کتنے افراد ہوتے ہیں گھر میں؟''

''تین بیٹیاں تھیں جن کی شادی ہو چکی ہے۔ وہ اپنے اپنے گھروں میں ہیں۔''

''یہ بیٹی چھوٹی ہے ابھی؟'' ایک نے پوچھا۔

''یہ ہماری سب سے بڑی بیٹی ہے۔'' بڑی بی نے افسردگی سے کہا۔

''تو اس کی شادی کیوں نہیں کی؟'' اسنے پوچھا۔

''میاں تم لوگ اپنا کام کرو اور جاؤ۔ کیوں کریدتے ہو ہمیں۔'' بڑے میاں نے تلخی سے کہا۔

www.taemeernews.com

سب خاموش ہو گئے۔

''بڑے میاں، تم نے ساری زندگی میں کیا کیا..... یہی ایک خالی گھر۔'' ایک نے پھر چھیڑا۔

''میاں جو رقم ریٹائرمنٹ پر ملی اس سے یہ گھر خریدا اور لڑکیوں کو تعلیم دلوائی۔ ہم بڑی لڑکی کی شادی کرنا چاہتے تھے لیکن اس نے گھر کی ذمہ داری سنبھال لی۔ ملازمت کی اور تینوں بہنوں کی شادی میں ہاتھ بٹایا۔ اب تو گھر کے اخراجات بھی اسی کی کمائی سے پورے ہو رہے ہیں۔ لیکن تم لوگوں کو ان باتوں سے کیا دلچسپی۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، ہمیں ان باتوں سے کیا دلچسپی۔ لیکن اس کمرے کی تلاشی ہم ضرور لیں گے۔ اس نے بھی تو اپنی شادی کے لئے کچھ زر زیورات جمع کئے ہوں گے۔''

''میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دے سکتی۔'' بڑی بی بولیں۔

دونوں ہنسنے لگے۔

''تم سے کون اجازت مانگ رہا ہے بڑی بی۔ کیا ہمیں تمہاری اجازت کی ضرورت ہے؟''

''اس غریب کے پاس اب کیا رہ گیا ہے۔ ایک دو زیور، گھڑی وغیرہ ہوگی وہ میں لا دیتی ہوں۔''

''میں نے کہا نا کہ تم بیٹھی رہو۔''

''پھر تم لوگ کیا چاہتے ہو۔ اس کمرے میں تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ اس نے تو اپنی بہنوں اور ہمارے لئے اپنی عمر بھی گنوا دی۔ اسے اطمینان سے سو تو لینے دو۔ وہ تم لوگوں کی بندوقیں دیکھ کر حواس کھو بیٹھے گی۔''

ان میں سے ایک اٹھا۔ کچن کی طرف گیا اور فریج سے پانی نکال کر بوتل سے ہی منہ لگا کر پانی پینے لگا۔ دوسرے کی طرف دیکھا مگر اس نے انکار میں سر ہلا دیا۔

اس نے بوتل فریج میں واپس رکھا اور تیزی سے دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہ اتنا اچانک ہوا کہ بڑے میاں اور بڑی بی آنکھیں پھاڑے دیکھتے رہ گئے۔ کمرے کا دروزہ اس نے

www.taemeernews.com

پہلے کی طرح ہی بھڑ دیا تھا۔ انہوں نے اس کمرے کی طرف دھیان لگائے رکھا، کسی طرح کی کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ شخص کمرے سے برآمد ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک گھڑی، کانوں کے ٹاپس اور ایک لاکٹ نما کوئی چیز تھی جو اس نے صوفے پر پڑی ہوئی دو چوڑیوں کے ساتھ رکھ دیئے اور اپنے ساتھی کی طرف بڑے مایوسانہ انداز میں دیکھا۔ پھر وہ اس کے پاس بیٹھ گیا اور اس کے کانوں میں کچھ کھسر پھسر کرنے لگا۔ دوسرا شخص کبھی مسکراتا، کبھی انکار میں سر ہلاتا، ان دونوں کی طرف دیکھتا پھر دوسرے کمرے کی طرف دیکھنے لگتا۔ دونوں بوڑھے کچھ بھی سننے اور سمجھنے سے قاصر تھے لیکن کچھ سوچ کر اندر ہی اندر سہمے جا رہے تھے۔

اچانک وہ شخص اٹھا اور پہلے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس نے کئی دوپٹے اٹھائے اور دونوں نے مل کر بوڑھوں کے منہ میں کپڑے ٹھونس دیئے۔ ان میں مزاحمت کی سکت ہی کہاں تھی۔ ان دونوں کو ایک ساتھ انہوں نے باندھ دیا۔

پھر ان میں سے ایک نے پستول چھوٹی میز پر رکھ دیا اور اطمینان سے سگریٹ پینے لگا۔ دوسرے نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا اور دوبارہ دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

بوڑھوں کی غوں غوں کی آواز بلند ہوئی لیکن اس نے کوئی دھیان نہیں دیا اور دوسرے کمرے میں داخل ہو کر اس نے دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

ان لوگوں نے غور سے کسی آواز کو سننے کی کوشش کی لیکن ٹی وی کی آواز نے ان کی تمام کوششوں کو ناکام بنا دیا۔ وقت گزرتا رہا۔ پندرہ منٹ، آدھا گھنٹہ، ایک گھنٹہ..... دوسرا شخص سگریٹ پر سگریٹ پھونکتا رہا اور ٹانگیں پھیلائے ٹی وی کی طرف نظریں جمائے رہا۔

بولنے کی ناکام کوشش میں بڑے میاں کا گلا خشک ہو چکا تھا، بڑی بی کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی جس نے ان کے پورے چہرے کو تر کر دیا تھا لیکن بیٹھے ہوئے شخص کو متوجہ کرنے کی کوئی کوشش بار آور نہیں ہوئی۔

www.taemeernews.com

بند کمرے سے وہی شخص برآمد ہوا۔ وہ اپنے بالوں میں انگلیوں سے کنگھی کرتے ہوئے اپنے ساتھی کی طرف مسکراتا ہوا بڑھا اور اس کے کانوں میں پھر کچھ کھسر پھسر کرنے لگا۔ اس نے بھی سگریٹ سلگا لیا اور دونوں ٹانگیں پھیلائے ٹی وی دیکھتے رہے۔ ان کے نزیک جیسے کمرے میں ان دو بوڑھوں کا کوئی وجود ہی نہیں تھا جو ویسے ہی بے حد نڈھال ہو چکے تھے۔

تھوڑی دیر بعد دوسرا اٹھا اور پہلے نے اس کی پیٹھ پر تھپکی دے کر اسی بند کمرے کی طرف دھکیل دیا۔ اس نے بھی اندر جا کر دروازہ بند کر لیا۔ پتہ نہیں، دروازہ اندر سے بند کرنے کی کوئی ضرورت تھی بھی یا نہیں۔

ایک ایک لمحہ جیسے ہزاروں سال پر محیط تھا۔ وقت کی سوئی اٹک اٹک کر آگے بڑھ رہی تھی۔ پندرہ منٹ، آدھا گھنٹہ، ایک گھنٹہ..... دونوں بوڑھے بندھن سے آزاد ہونے کی کوشش میں بے دم ہو چکے تھے اور ان کے سر صوفے کی پشت پر ڈھلک گئے تھے۔

پھر وہ شخص بھی کمرے سے برآمد ہوا۔ پانی پیا اور اپنے ساتھی کے پاس بیٹھ گیا۔ دونوں بار بار اپنی گھڑی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ رات کے آثار ختم ہو رہے تھے اور اجالے کی آمد آمد تھی۔ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک نے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''تم لوگوں پر واقعی بڑا رحم آتا ہے۔ کچھ بھی تو نہیں ہے تم لوگوں کے پاس۔ پتہ نہیں کیا کیا ساری زندگی تم لوگوں نے۔ یہ تمہاری دولت پڑی ہوئی ہے۔ گھڑی، ٹاپس، لاکٹ اور چوڑیاں۔ تمہارے نقد رقم کو بھی ہم نے ہاتھ نہیں لگایا۔''

دوسرے نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ''اچھی طرح دیکھ لو بڑے میاں، ہم خالی ہاتھ جا رہے ہیں یہاں سے۔ تمہاری کوئی چیز ہم اپنے ساتھ نہیں لے جا رہے ہیں۔ تمہیں ہمارا شکر گزار ہونا چاہئے۔''

پھر انہوں نے دروازہ کھولا۔ باہر جھانکا اور تیزی سے گلی میں غائب ہو گئے۔

www.taemeernews.com

دونوں میں خود کو دوپٹے کے بندھنوں سے آزاد کرانے کی بھی سکت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ وہ کوشش کرتے تو لڑھکتے ہوئے بیٹی کے کمرے تک پہنچ سکتے تھے لیکن ایسا لگ رہا تھا کہ بیٹی کے مقابل تو کیا وہ اس کمرے کے دروازے تک سے نظریں چرا رہے تھے۔

بیٹی کے دفتر جانے کے لیے تیاری کا وقت ہو چکا تھا لیکن وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی۔ دونوں بوڑھے دوپٹے سے بندھے ہوئے سکڑے سمٹے صوفے پر لڑھکے ہوئے سے پڑے رہے۔ پیاس سے حلق خشک ہو چکا تھا اور منہ میں ٹھنسے ہوئے کپڑے کی وجہ سے جبڑے تڑخ رہے تھے۔

دوپہر ہو گئی۔ پھر انہیں کچھ آہٹ سی ہوئی۔ دوسرے کمرے کا دروازہ کھلا اور قدموں کی چاپ قریب آتی محسوس ہوئی۔ ٹی وی ابھی تک چل رہا تھا۔ ٹی وی کا سوئچ آف ہوا۔ انہیں معلوم تھا یہ ان کی بیٹی ہی ہے لیکن ان کی آنکھیں بند تھیں۔ ان کے منہ سے کپڑے نکالے گئے اور بندھن سے چھٹکارا مل گیا لیکن انہوں نے اپنی آنکھیں کھولیں بھی تو نظریں نیچی ہی رکھیں۔ اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں لیکن سب خود کو جیسے گنہگار محسوس کر رہے تھے۔

بیٹی نے انہیں پانی پلایا اور تب سارا بند ٹوٹ گیا۔

بڑی بی پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔ بڑے میاں کافی دیر سکتے کے عالم میں رہے، پھر وہ بھی اپنی آنکھوں کے کونوں کو بار بار ہتھیلی سے پونچھنے لگے۔ بیٹی ان کے پاس ہی بیٹھی رہی لیکن دلاسے یا تسکین کے لیے اس کے ہونٹ بھی نہیں کھلے۔ گھر میں موت کی سی خاموشی رہی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کسی کی سسکیوں کی آواز اٹھتی اور پھر معدوم ہو جاتی۔

بڑی بی اٹھیں اور کچن کی طرف چلی گئیں۔ بیٹی غسل خانے کی طرف۔ بڑے میاں چھوٹے سے لاؤنج میں چہل قدمی کرنے لگے۔ کبھی کبھی کوئی نظر اٹھا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھ لیتا اور پھر فوراً ہی دوسری طرف دیکھنے لگ جاتا۔

بیٹی نہ تو خود دفتر گئی اور نہ ہی اس سے کسی نے دفتر جانے کے لئے کہا۔ بڑی بی نے

www.taemeernews.com

کھانے کے لئے بھی کچھ بنالیا تھا لیکن کسی سے کچھ کھایا نہیں گیا۔

دوسرا دن بھی گزرا۔ تیسرا دن بھی گزر گیا اور کئی دن یونہی گزر گئے۔ رفتہ رفتہ سب لوگ معمول کی طرف واپس آنے لگے تھے۔ کبھی کبھی ایک دوسرے سے بات چیت ہو جاتی، بہت مختصر سی اور پھر سناٹا چھا جاتا۔ بڑی بی نے بڑے میاں سے آہستگی سے کچھ کہا اور انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اگلے دن بڑی بی، بیٹی کو لے کر باہر نکلیں۔ بس میں سوار ہوئیں اور تقریباً گھنٹے بھر کے سفر کے بعد ایک لیڈی ڈاکٹر کے یہاں پہنچیں۔ انہوں نے گھر کے قریب کے ڈاکٹر سے رجوع کرنے سے گریز کیا تھا۔

انہوں نے چند لمحے کے لیے علیٰحدگی میں بات کرنے کی درخواست کی جسے لیڈی ڈاکٹر نے قبول کر لیا۔ انہوں نے سچائی سے سب کچھ ڈاکٹر کے گوش گزار کیا اور پھر رونے بیٹھ گئیں۔ ڈاکٹر نے ہمدردانہ رویہ اختیار کیا تھا۔ اس نے کچھ ٹیسٹ لیے اور دوسرے دن پھر بلایا۔

دوسرے دن ڈاکٹر نے رپورٹوں کی روشنی میں ان کا وہ خدشہ دور کر دیا جو ہر لمحہ انہیں ڈس رہا تھا۔ ماں بیٹی کے چہروں پر بشاشت آ گئی۔

بڑے میاں کے اضطراب میں بھی کمی آئی۔ اگلے روز بیٹی دفتر جانے کی تیاری کے لئے اٹھی اور پھر جیسے سب کچھ نارمل ہو گیا۔ وہی دفتر، ناشتہ، کھانا، ٹی وی۔ دونوں بوڑھے دیر تک ٹی وی کے سامنے بیٹھے رہتے۔

البتہ اتنی تبدیلی ضرور آئی تھی کہ سارے دروازے کھڑکیاں سرِ شام ہی بند کر دیئے جاتے۔ کسی دستک کی آواز پر فوراً ہی دروازہ کھولنے سے گریز کیا جاتا اور شناخت کے بعد ہی دروازہ کھولا جاتا۔

بڑی بی سونے سے پہلے دروازے اور کھڑکیوں کو ہاتھ سے ٹٹول کر بند ہونے کی

www.taemeernews.com

تصدیق کرتیں پھر اپنے بستر پر جاتیں۔ ان دونوں کو ویسے بھی نیند کم ہی آتی تھی، ساری رات اونگھتے اور جاگتے گزر جاتی۔

ایک بات اور بھی ہوئی تھی۔ ان بوڑھوں نے اپنی بیٹی میں ایک تبدیلی نوٹ کی۔ یہ تبدیلی بتدریج ہوئی تھی۔ کبھی کبھی اس کے گنگنانے کی آواز سنائی دے جاتی۔ پھر اس کے پاس ایک ٹیپ ریکارڈر آ گیا اور دفتر سے واپس آ کر وہ دیر تک کبھی ٹی وی دیکھتی یا اپنے کمرے میں جا کر ٹیپ ریکارڈر پر گانے سننے لگتی ورنہ پہلے اسے گانوں سے دلچسپی تھی اور نہ ہی ٹی وی سے۔ شاید تھکن کا احساس اسے کم ہونے لگا تھا۔ اس کی میز پر میک اپ کے بھی تھوڑے سے سامان نظر آنے لگے تھے اور دفتر جانے کی تیاری میں اسے زیادہ وقت بھی لگنے لگا تھا۔

ادھر کچھ دنوں سے پھر چوری اور ڈاکہ زنی کی وارداتیں بڑھ گئی تھیں۔ بڑی بی حسب معمول دروازہ اور کھڑکی ٹٹول کر تھپتھپا کر بند ہونے کی تصدیق کرتیں۔ اگر بیٹی جاگ رہی ہوتی اور کچھ پڑھنے میں مشغول ہوتی تب بھی وہ اس کے کمرے کی کھڑکیاں بند کر دیتیں۔ بیٹی کوئی احتجاج نہیں کرتی.....لیکن اس روز ایسا نہیں ہوا..... وہ دیر تک کھڑکی کے سامنے بیٹھی پڑھتی رہی۔ ٹیپ ریکارڈر بھی مدھم آواز سے بج رہا تھا۔ بڑی بی کھڑکی بند کرنے کے لئے بڑھیں تو اس نے انہیں روک دیا۔

''رہنے دو اماں، ذرا ہوا آ رہی ہے۔''

وہ پھر بھی کھڑکی بند کرنے لگیں۔

''نہیں بیٹی، کھڑکی بند کر لو، زمانہ بڑا خراب ہے۔''

''رہنے دو اماں ذرا تازہ ہوا آ رہی ہے، اور میں ابھی پڑھ رہی ہوں۔'' وہ پھر بولی۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ میں بند کر رہی ہوں۔ تم چاہے رات بھر پڑھتی رہنا۔''

''میں نے کہا نا کہ کھڑکی کھلی رہنے دو۔ کیا ہو جائے گا۔ کون گھسا چلا آ رہا ہے یہاں۔ کیا لے جائے

www.taemeernews.com

گا اس گھر سے۔'' اس کی آواز بلند ہوگئی۔

اماں کا ہاتھ کھڑکی کی چٹخنی پر ٹکا ہی رہ گیا۔ ''بیٹی، یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔'' وہ بڑی مشکل سے بولیں۔

''ہاں میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ کوئی نہیں آئے گا اس گھر میں۔ سب مر گئے۔ سارا شہر مر گیا۔ وہ دونوں غنڈے بھی مر گئے جو کبھی یہاں آئے تھے۔ سب مر گئے اماں، سب مر گئے۔''

اس کی آواز ٹی وی کی آواز پر غالب آ گئی۔ آواز بڑے میاں تک بھی پہنچی جو ٹی وی کے سامنے بت بنے بیٹھے تھے اور پھر دیر تک انہیں صرف سسکیوں کی آواز سنائی دیتی رہی۔

www.taemeernews.com

صدی کی آخری کہانی

ادائیگی کے بعد میں ٹرالی لئے دروازے کے پاس کھڑا تھا اور دروازے کے باہر مستقبل قریب میں بارش میں کمی کے کوئی آثار نہ تھے۔ بیگم اب بھی مختلف شیلف کا جائزہ لیتی پھر رہی تھیں۔ میں نے اکتا کر ادھر ادھر دیکھا اور اچانک مجھے ہنسی آ گئی۔ بیگم قریب ہی تھیں، انھوں نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر میری نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں تک پہنچ ہی گئیں۔ درمیانہ قد کی ایک معصوم سی دیسی عورت، ٹرالی تھامے شاید وہ بھی بارش کے تھمنے کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کا جسم بے حد بے ڈول ہو رہا تھا۔ ڈھلکی ہوئی چھاتیاں، پھولا ہوا پیٹ، ٹرالی کے ہینڈل تک اس کے ہاتھ بڑی مشکل سے پہنچ پائے تھے۔ چہرہ سُتا ہوا اور اس سردی میں بھی اس کے اوپری ہونٹوں پر پسینے کے قطرے ابھر آئے تھے۔ بیگم نے مجھے گھور کر دیکھا اور پھر مجھے بھی ایسا لگا کہ میری ہنسی بڑی بے موقع تھی۔ اچانک بیگم اس عورت کی طرف بڑھ گئیں۔ اس عورت سے میرا فاصلہ اتنا تھا کہ ان کی گفتگو مجھ تک نہیں پہنچ پا رہی تھی لیکن کافی دیر تک ان دونوں کے درمیان گفتگو ہوتی رہی۔ میں کبھی انہیں دیکھتا اور کبھی باہر دیکھنے لگ جاتا..... اب مجھے کچھ خدشہ سا ہو چلا تھا۔ کہیں حسب معمول بیگم کا جذبۂ ترحم بھڑک اٹھا تو وہ اس کی خدمت گزاری میں لگ جائیں گی اور مجھے اپنی

www.taemeernews.com

ملازمت کے ساتھ ساتھ کچن بھی سنبھالنا پڑ جائے گا۔ میرا خدشہ فطری تھا کیونکہ ایسے مواقع کئی بار میری زندگی میں آ چکے تھے۔

باہر بارش دم توڑنے لگی تھی۔ میں نے بیگم کی طرف نظریں اٹھائیں، انھیں بھی شاید اندازہ ہو گیا تھا، وہ میری طرف آ رہی تھیں لیکن وہ بے ہنگم جسم والی عورت بھی ان کے ساتھ تھی۔

''یہ کریتی ہے..... اسے ہم اس کے گھر ڈراپ کرتے ہوئے اپنے گھر جائیں گے۔''

کریتی نے مسکراتے ہوئے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''نمستے بھیا۔''

میں نے بادلِ نخواستہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

میرا خدشہ یقین میں تبدیل ہو رہا تھا، بیگم تو لگتا ہے مہینے دو مہینے کے لئے ہاتھ سے گئیں۔

میں ٹرالی دھکیلتا ہوا پارکنگ لاٹ کی طرف چلا۔ بیگم نے کریتی سے ٹرالی لے لی تھی اور کریتی ٹرالی پر ایک ہاتھ رکھے دھیرے دھیرے ان کے ساتھ لڑھک رہی تھی۔ گاڑی میں سامان منتقل کرنے کے بعد بیگم نے بڑی احتیاط سے کریتی کو پچھلی سیٹ پر بیٹھنے میں مدد دی۔ کریتی کے بتائے ہوئے پتے پر میں نے گاڑی ڈال دی۔

''مئی کے مہینے میں اتنی تیز بارش غیر معمولی ہے لیکن کسی دانا نے سچ کہا ہے کہ ہالینڈ کے تین ڈبلیو پر کبھی اعتبار نہ کرنا، یعنی ویلتھ، ویمن اینڈ ویدر۔''

میں نے ڈرائیونگ کے دوران یونہی ہلکے پھلکے انداز میں گفتگو کا آغاز کیا۔

''اس دانا کے قول کا اطلاق تو اور بھی کئی ملکوں پر ہو سکتا ہے۔'' بیگم نے فرمایا۔

''یہاں کے ویدر کے بارے میں تو ست پرتی شت صحیح ہے بھابی، ہنڈرڈ پرسنٹ۔'' کریتی بھی بولی۔ ''مئی کے مہینے میں اتنی ورشا اور جھکڑ۔ یہ تو بہار کے عروج کا موسم ہے، پوری دنیا سے ٹورسٹ پھولوں کی پردرشنی میں آئے ہوئے ہیں اور یہاں ورشا نے سب کو باندھ کر رکھ دیا ہے۔''

''ہاں، لیکن یہ وقتی ہے۔۔۔ اب دیکھو نا، بارش بند ہو گئی، سڑکیں دھل دھلا گئیں اور نمائش میں

www.taemeernews.com

پھولوں پر مزید بہار آ گئی ہوگی.....''

کریتی کا گھر زیادہ دور نہیں تھا۔ اس کا سامان اس کے حوالے کر کے میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے ہی والا تھا کہ بیگم نے کہا۔

''آیئے، کریتی ہمیں کافی پلا رہی ہے۔ آپ کو گھر جانے کی کیا جلدی پڑی ہے۔''

اب میرا خدشہ پختہ یقین اختیار کر گیا تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے برگر، ہاٹ ڈاگ اور دوسرے فاسٹ فوڈ گردش کرنے لگے کیونکہ یہ سب کچھ اب بہت دنوں تک میرا مقدر ہونے والا تھا۔

کریتی نے اچھی کافی بنائی۔ اس کا گھر بے حد بے ترتیب تھا۔ ایک بیڈروم، ایک چھوٹا سا لاؤنج، چھوٹا سا کچن.....کل مکانیت یہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد جب ہم رخصت ہونے لگے تو بیگم نے کریتی سے کہا۔ ''ونود گھر آ جائے تو فون کر دینا میں خود اس سے باتیں کر لوں گی۔''

مجھے معلوم نہیں تھا کہ سُپر اسٹور میں بیگم اور کریتی کے درمیان کیا باتیں ہوتی رہی تھیں لیکن کچھ کچھ اندازہ ہو چلا تھا۔ اتنی دیر میں بیگم نے اس کے پورے حالات معلوم کر لئے ہوں گے اور اب پوری طرح اس کی مدد کے لئے آمادہ تھیں۔

گاڑی میں کافی دیر خاموشی رہی، پھر بیگم نے ہی کہا۔

''ونود اس کے شوہر کا نام ہے.....ایک انڈین ریستوراں میں کام کرتا ہے۔''

میں نے صرف سر ہلا دیا۔ بیگم شاید میرے چہرے پر کچھ تلاش کرنے لگیں۔

''آپ نے اس کی حالت دیکھی ہے۔ وہ تقریباً پورے دنوں سے ہے، پردیس ہے، یہاں اس کا کوئی نہیں۔ ایسی حالت میں کوئی بہت اپنا اس کے پاس ہونا چاہئے۔''

''آپ ہیں نا.....!'' میں نے آہستہ سے کہا۔

وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

www.taemeernews.com

سڑک کے دونوں اطراف کے درخت خزاں کی شدت جھیل چکے تھے اور اب ہرے ہرے نئے نئے پتوں سے لدے پھندے لہلہا رہے تھے اور تقریباً تمام گھروں کی کھڑکیوں سے جھانکتے ہوئے کھلے کھلے رنگ برنگے پھول ایک خوشگوار کیفیت میں مبتلا کر رہے تھے۔

''کتنے پیار سے اس نے آپ و بھیا کہہ کر مخاطب کیا تھا۔'' بیگم نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ تمہیں دیدی اور مجھے جیجا جی بھی کہہ سکتی تھی۔''

''آپ کو یہ رشتہ پسند نہیں آیا؟''

''بھئی ایسی حالت میں اسے کسی سے کیا خدشہ ہوسکتا ہے۔'' میں نے نظریں سامنے رکھیں۔

''آپ کو شرم آنی چاہئے۔ ذرا اس کی حالت تو دیکھئے۔'' بیگم نے مصنوعی غصے سے کہا۔

''مجھے تو اس کے شوہر پر غصہ آرہا ہے..... کیا حالت بنادی ہے غریب کی۔''

بیگم نے کھڑکی کی طرف منہ موڑ لیا۔

بہار اپنے پورے شباب پر تھی۔ میں اپنے سارے ویک اینڈ گھوم پھر کر گزارنا چاہ رہا تھا کہ یہ افتاد آپڑی۔ مجھے معلوم تھا بیگم اب میرے ہاتھ نہیں آئیں گی۔ کریتی نے بتایا تھا کہ ونود ریستوراں سے کافی دیر سے گھر لوٹتا ہے، پھر بھی بیگم نے اصرار کیا تھا کہ چاہے جس وقت بھی وہ گھر آئے، ان سے بات کرادی جائے۔

میں صبح اٹھا تو میز پر ناشتہ تیار تھا اور بیگم بھی شاید باہر جانے کے لئے تیار تھیں۔

''جلدی سے تیار ہوجایئے۔ ونود کے ریستوراں جانے سے پہلے اس سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔''

''تو اسے یہیں بلا لیجئے۔''

''اس کے پاس گاڑی نہیں ہے۔ پھر کریتی ایسی حالت میں بسوں میں زیادہ نہ چلے پھرے تو اچھا ہے۔''

میں خاموش ہوگیا لیکن ناشتے میں کوئی تیزی نہیں دکھائی۔ پھر بھی بیگم کا ساتھ تو دینا ہی

www.taemeernews.com

تھا۔ کریتی کے گھر پہنچے تو جس نے دروازہ کھولا وہ شاید ونود ہی تھا۔

اس نے میرے پیر چھوئے اور بیگم کو ہاتھ جوڑ کر نمستے کیا۔ کریتی نے مسکرا کر استقبال کیا۔

''تمھیں اس کی حالت کا کچھ اندازہ ہے ونود۔'' بیگم نے کسی تمہید کے بغیر بڑی بے تکلفی سے ونود سے پوچھا۔

''جی بھابی جی.....'' ونود نے سر جھکا کر آہستہ سے کہا۔

''تمھیں کچھ اندازہ نہیں ہے۔ ضرورت کی چیزیں سمیٹو اور میرے ساتھ چلو۔ کریتی میرے ساتھ رہے گی۔ میرا مکان پانچ کمروں پر مشتمل ہے۔ ایک کمرہ میں تم لوگ رہ لوگے تو ہمیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' بیگم نے لہجے میں سختی روا رکھی۔

ونود کی نظر ایک کونے میں چھوٹی سی میز پر رکھی درگا کی مورتی کی طرف اٹھ گئی۔

''تم جو چاہے اپنے ساتھ لے چلو، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔'' بیگم نے ونود کے چہرے پر ہچکچاہٹ دیکھتے ہوئے کہا۔ ''لیکن کریتی کو اس حالت میں، میں یہاں نہیں چھوڑ سکتی۔''

میں نے بیگم کی طرف دیکھا، پتہ نہیں کن حقوق کے تحت وہ اپنا اختیار جتا رہی تھیں۔

''لیکن بھابی جی۔۔۔۔'' ونود نے پھر کہنا چاہا۔

''میں کچھ نہیں سنوں گی..... تم اس گھر کو چھوڑ دو..... کریتی مکمل صحت یاب ہو جائے تو دوسرا گھر لے لینا۔ تب تک یہ ہمارے ساتھ رہے گی۔'' بیگم نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

کافی دیر تک ان دونوں میں گفت وشنید جاری رہی۔ کریتی کبھی کچن کی طرف چلی جاتی اور کبھی خاموشی سے ہمارے درمیان آ کر بیٹھ جاتی۔ میں اس کی پیش کی ہوئی کافی آہستہ آہستہ پیتا رہا۔

''تم لوگ اپنی تیاری رلو۔ ہم شام کو آ کر تمھیں لے جائیں گے۔'' بیگم نے اٹھتے ہوئے کریتی اور ونود کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ونود دروازے تک چھوڑنے آیا اور پھر جھک کر میرے پاؤں چھوئے۔

www.taemeernews.com

''بھئی باقی سب باتیں تو ٹھیک ہیں لیکن اپنے گھر لا کر اپنی پرائیویسی کو.....''

''ارے کچھ دنوں کی تو بات ہے۔ زیادہ سے زیادہ ایک یا دو مہینے۔ اور پھر وہ اپنے کمرے میں رہیں گے، ہمیں کیا۔'' بیگم نے سمجھانے کے سے انداز میں کہا۔

شام کو ہم انہیں دو سوٹ کیس اور ایک کارٹن سمیت اپنے گھر لے آئے۔ بیگم نے انھیں ان کا کمرہ دکھایا۔ ساتھ میں ایک اسٹور روم تھا۔ بیگم نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ونود سے کہا۔

''تم چاہو تو اسے پوجا کے لئے استعمال کر سکتے ہو۔ میں بھی یہیں نمازیں پڑھتی ہوں۔''

ونود روزانہ صبح اٹھ کر سب سے پہلے میرے پاؤں چھوتا پھر اپنے کام پر جاتا۔ بیگم نے کریتی کو ایک اسپتال میں رجسٹر کرا دیا تھا۔ میں فارغ ہوتا تو میں بھی ان کے ساتھ اسپتال چلا جاتا۔ معائنے کے دوران میں کیفے ٹیریا میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھتا اور کافی کی چسکیاں لیتا۔

ایک دن اسی حالت میں کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں چونکا۔ اوور کوٹ میں ملبوس ایک بوڑھا میرے پیچھے کھڑا تھا۔

''تم نے اناج وغیرہ کا ذخیرہ تو کر لیا ہے نا.....'' اس نے جھک کر میرے کان کے قریب رک رک کر کہا۔

''میں سمجھا نہیں.....'' میں نے حیرت سے کہا۔

اس نے ایک نظر ٹی وی کی طرف دیکھا جہاں سے اب بھی خبریں نشر ہو رہی تھیں، پھر میرے ساتھ کی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''میرا نام روڈولف ہے۔ تم مجھے اسی نام سے پکار سکتے ہو۔''

میں نے بھی اسے اپنا نام بتایا۔ اس کی عمر اسّی پچاسی سال کے لگ بھگ تو رہی ہوگی۔ یہاں بہت سی میزیں خالی تھیں اور مجھے حیرت تھی کہ اس نے میرے ساتھ بیٹھنے کو کیوں ترجیح دی۔

www.taemeernews.com

''تم ہندوستانی ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں، میں پاکستانی ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''ایک ہی بات ہے۔'' اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''نہیں، ایک بات نہیں ہے۔ جیسے ڈچ اور فرانسیسی ہونے میں اور جرمن اور روسی ہونے میں فرق ہے اسی طرح پاکستانی اور ہندوستانی ہونے میں بھی فرق ہے..... لیکن میں اس وقت بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' میں نے ذرا سختی سے کہا۔

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، میں سمجھ رہا ہوں۔'' اس نے سوچتے ہوئے آہستہ آہستہ سر ہلایا۔ ''میں نے تاریخ پڑھی ہے اور حافظہ بھی ابھی کام کرتا ہے۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''مئی کا مہینہ ہے، یہاں بہار اپنے جوبن پر ہے اور تم لوگ اسے خاکستر کرنے پر تلے ہوئے ہو.....'' وہ بڑبڑایا۔

میں اس کی بے ربط باتوں سے کوئی مطلب نہ نکال سکا اور معائنے کے کمرے کی طرف دیکھنے لگا جہاں سے بیگم اور کریتی کو برآمد ہونا تھا۔

اگلی اپوائنٹمنٹ پر بھی میں اسپتال گیا تو بوڑھا روڈولف حاضر تھا۔ اسی طرح کندھے پر ہاتھ رکھ دیا جس طرح پہلی مرتبہ رکھا تھا۔

''تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا تھا.....؟'' اس نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کون سا سوال.....؟'' میں چونکا۔

''تم نے اناج وغیرہ کا ذخیرہ تو کر لیا ہوگا نا.....؟''

''کون سا اناج..... اور کیوں ذخیرہ کروں.....''

''ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔ ذخیرہ کرنے سے کیا ہوگا۔ کچھ بھی باقی نہیں بچے گا، کچھ بھی نہیں۔''

www.taemeernews.com

''کافی پیو گے۔؟'' میں نے یونہی پوچھ لیا کیونکہ مجھے بوڑھا کچھ خبطی سا معلوم ہوا تھا۔
اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''ہاں پیوں گا۔''

میں اس کے لئے کافی لینے کاؤنٹر پر گیا تو پینٹری مین نے کافی بناتے ہوئے کہا۔
''اسے پاگل مت سمجھنا، بس ذرا بوڑھا ہو گیا ہے۔ سامنے والے اولڈ پیپلز ہاؤس میں رہتا ہے۔ شام کے وقت ٹہلنے نکلتا ہے اور یہاں سے کافی پی کر واپس جاتا ہے۔ یہ اصل میں یہاں کافی پینے نہیں آتا کیونکہ کافی تو اولڈ پیپلز ہاؤس میں بغیر پیسے خرچ کئے پی سکتا ہے۔ یہ یہاں بچے کی پیدائش کی خبر سننے آتا ہے اور خبر سن کر بے حد خوش ہوتا ہے۔ پھر جب بچہ یہاں سے رخصت ہوتا ہے تو اسے اپنی جیب سے پھول خرید کر پیش کرتا ہے..... بہت دلچسپ باتیں کرتا ہے، بس کوئی سننے والا ہو۔''

میں کافی لے کر واپس اپنی میز پر آیا اور اسے پیش کیا۔ مجھے بھی اس میں کچھ دلچسپی پیدا ہونے لگی تھی۔

''میں ڈچ نہیں، میں جرمن ہوں۔'' اس نے کافی کی پیالی اپنی طرف سرکاتے ہوئے کہا۔

''تم نے رہائش کے لئے اس ملک کا انتخاب کیوں کیا؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ کوئی پچاس پچپن سال پہلے کی بات ہے۔ میں جیسے پاگل ہو گیا تھا، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر نکل بھاگا تھا اور پھر یہیں رچ بس گیا۔''

''کہیں اور بھی جا سکتے تھے.....'' میں نے کہا۔

''ہاں، کہیں اور بھی جا سکتا تھا..... لیکن جرمنی میں نہیں رہ سکتا تھا۔''

''مگر کیوں؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کافی کی دو تین چسکیاں لیں، پھر بولا۔

''میں چھوٹا سا تھا جب جنگ ختم ہوئی تھی۔ ماما بہت سے قصے سنایا کرتی تھی، خاندان کے دوسرے

www.taemeernews.com

افراد بھی تھے یہ مجھے نہیں معلوم..... وہ ایک قصہ بار بار سنایا کرتی تھی۔ وہ ٹوکری میں کرنسی نوٹ بھر کر بازار جاتی اور چند انڈے اور تھوڑے سے آلو یا روٹی لے کر واپس آتی۔ ایک بار اس نے ٹوکری میں نوٹ بھرے، باہر نکلی تو اسے کچھ یاد آ گیا۔ نوٹوں سے بھری ٹوکری وہیں پر چھوڑی اور گھر واپس آئی۔ اس نے وہ چیز اٹھائی جس کے لئے وہ واپس آئی تھی اور باہر چلی گئی۔ اپنی چھوڑی ہوئی ٹوکری کی جگہ دیکھی تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا..... ٹوکری غائب تھی۔ ادھر ادھر دیکھا تو قریب ہی کوڑے ڈالنے کی جگہ تھی جہاں اس کے نوٹ پڑے ہوئے تھے لیکن ٹوکری غائب تھی۔'' اس نے رک کر میری طرف دیکھا۔

''گویا ٹوکری زیادہ قیمتی تھی.....!'' میں نے کہا۔

وہ آہستہ سے ہنسا اور پھر کافی کی چسکی لی۔

''میں نے اس جنگ کے اثرات سہے ہیں اور اس کے بعد کی جنگ کا ایک حصہ رہا ہوں..... میں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے..... تم ہولناکی کی شدت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر سکتے ہو جبکہ میں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اس شدت کا حصہ رہا ہوں.....'' اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کی لیکن وہ پیالی پر جھکا ہوا تھا۔

تب ہی بیگم کریتی کا ہاتھ تھامے معائنے کے کمرے سے باہر نکلتی ہوئی نظر آئیں۔ ونود بھی ان کے ساتھ تھا جسے ڈاکٹر نے کچھ خاص ہدایات دینے کے لئے بلایا تھا۔

میں اٹھا تو روڈولف بھی اٹھ گیا۔ وہ میرے ساتھ کچھ دور چلا اور رک گیا۔

ونود کا وہی معمول تھا۔ صبح اٹھ کر میرے پاؤں چھوتا پھر اپنے کام پر چلا جاتا اور رات کو دیر سے واپس آتا۔ کریتی کو بیگم زیادہ سے زیادہ آرام کا موقع دیتیں اور اس کی تمام ضرورتوں کا خیال رکھتیں۔ کھانے پینے میں خصوصی توجہ نے اس کے سُتے ہوئے چہرے پر رونق لا دی تھی اور اس

www.taemeernews.com

حلئے میں بھی وہ خاصی پرکشش لگنے لگی تھی۔ اس بار بیگم کی مصروفیت سے ذرا مختلف قسم کی فضا قائم ہوئی۔ برگر، ہاٹ ڈاگ، فنگرفش اور فرنچ فرائز وغیرہ جیسے فاسٹ فوڈ کی بجائے ونود نے اپنے ریستوراں سے مختلف قسم کی ڈشیں لاکر ریفریجریٹر میں بھر دی تھیں، گویا گھر میں گھر جیسا ہی کھانا میسر تھا۔ ہم لوگ رات گئے تک باتیں کرتے، ہم زبان تھے، ایک جیسا کھاتے پہنتے تھے، جلد ہی بے تکلف بھی ہو گئے اور گھر بھرا پرا سا لگنے لگا تھا۔

کریتی کے یہاں ولادت کے دن قریب آتے جا رہے تھے۔ اگلے معائنے والے دن ونود بھی ساتھ تھا۔ بیگم کریتی کو لے کر چلی گئیں اور میں ونود کے ساتھ کیفے ٹیریا میں بیٹھ گیا۔

یہ ایک بڑے سے لاؤنج کے ایک گوشے میں تھا۔ ایک طرف پھولوں کی دکان بھی تھی۔ میں اسی رخ پر بیٹھتا تھا اور گفتگو کے دوران بھی میری نظریں پھولوں پر ہی مرکوز رہتیں۔

ونود کافی لے کر میز پر آیا تو بوڑھا روڈولف بھی آ گیا۔

''تم بھی.....'' بوڑھا ونود کی طرف دیکھتے ہوئے رک گیا۔ ''تم بھی پاکستانی ہو؟''

''اس کا نام ونود ہے اور یہ پاکستانی نہیں، ہندوستانی ہے۔'' میں نے واضح الفاظ میں اس کا تعارف کرایا۔

''اچھا تو تم ہو جس نے سب کچھ تاخت وتاراج کرنے کا.....'' وہ رک گیا۔

ونود نے میری طرف دیکھا۔ میں گھر پر روڈولف کے متعلق اسے سب کچھ بتا چکا تھا۔

''ونود میرے ساتھ ہی رہتا ہے۔ کریتی اسی کی بیوی ہے جسے لے کر ہم یہاں معائنے کے لئے آتے ہیں۔'' میں نے بوڑھے کو مزید بتایا۔

ونود کو میں نے بوڑھے کے لئے کافی لانے کا اشارہ کیا۔

''بچہ ماں کے لئے پوری کائنات ہوتا ہے.....اس کی بیوی ایک کائنات کی تخلیق کر رہی ہے..... ہے نا.....!'' روڈولف جیسے خود سے مخاطب تھا۔

www.taemeernews.com

اس کے لئے بھی کافی آ گئی تو میں نے اسے چھیڑا۔

''تم تو فوج میں ملازم تھے نا.....!''

''ہاں، میں جرمن فوج میں ملازم تھا.....اور آسٹریا میں تعینات تھا.....روسی سرحدوں سے واپس آنے والے جرمنوں کو میں دیکھتا تھا اور ہر بار ایک نئی اذیت میں مبتلا ہو جاتا تھا.....ان دنوں موسم میں اتنی شدت نہیں تھی، اور اس معاملے میں ہم ملوث بھی نہیں تھے لیکن.....لیکن.....'' الفاظ جیسے اس کا ساتھ نہ دیتے یا وہ الفاظ اپنی زبان پر لانا نہیں چاہتا تھا۔

''کون سا موسم تھا؟'' میں نے پوچھا۔''اور کس معاملے میں ملوث ہونے کی بات کر رہے ہو؟''

''پتہ نہیں وہاں کون سا موسم رہا ہوگا۔ وہ اگست کا مہینہ تھا اور اتنے فاصلے کے باوجود میں نے اس حدت کو بہت قریب سے محسوس کیا تھا.....جیسے میرے کپڑے جل کر فضا میں منتشر ہو گئے تھے اور میرے جسم کی کھال جل کر گوشت چھوڑ چکی تھی.....مجھے جلتے ہوئے گوشت کی اتنی تیز بو محسوس ہوئی تھی کہ.....کہ.....'' اس کی آواز لرزنے لگی اور کافی کی پیالی پر جمی ہوئی انگلیوں میں لرزش ہونے لگی۔

''روڈولف تم ٹھیک تو ہو؟'' میں نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے ہلایا۔

وہ جیسے خواب میں تھا، چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

''تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں روڈولف.....تمھیں اپنی قیام گاہ واپس جانا چاہئے۔''

اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

''میں ٹھیک ہوں.....میں ٹھیک ہوں.....''

میں نے ونود کی طرف دیکھا، وہ بھی تشویش سے بوڑھے کو دیکھ رہا تھا۔

''یہ نہروں اور پھولوں کا دیس ہے.....ہے نا!'' وہ پھر بولا۔''نہروں کے خشک ہونے اور پھولوں کے راکھ ہو جانے کا تصور کر سکتے ہو!''

www.taemeernews.com

اس نے ہم دونوں کی طرف دیکھا۔ میں اس کی باتوں میں ربط تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ ونود باری باری ہم دونوں کو دیکھتا رہا۔

اچانک روڈولف اٹھا اور پھولوں کی دکان سے ایک کھلا ہوا ٹیولپ خریدا اور سامنے سے آتے ہوئے ایک جوڑے کا انتظار کرنے لگا۔ عورت آہستہ خرامی سے اپنے مرد کے کاندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے چل رہی تھی۔ مرد کی گود میں گرم کپڑوں میں لپٹا ہوا اس کا بچہ تھا۔ وہ قریب آئے تو روڈولف ان کی طرف بڑھا۔ مسکرا کر بچے کی طرف دیکھا، ٹیولپ سے اس کے گالوں کو چھوا اور عورت کی طرف بڑھا دیا..... عورت مسکرائی، پھر اپنے مرد کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

روڈولف انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا، پھر ہماری طرف دیکھے بغیر آہستہ آہستہ وہ بھی اسپتال سے باہر نکل گیا۔

بیگم نے اطلاع دی کہ کریتی کو داخل کر لیا گیا ہے اور ولادت اگلے چوبیس گھنٹوں میں متوقع ہے۔ بیگم کریتی کے پاس ہی رہ گئیں۔ میں ونود کے ساتھ گھر واپس آ گیا۔

اگلے روز کریتی کے یہاں بیٹی پیدا ہوئی۔ روڈولف کو میں نے اطلاع دی تو وہ مسکرایا۔ ونود بھی بہت خوش تھا، اس کے گھر میں لکشمی آئی تھی۔ بیگم تھکن سے نڈھال تھیں پھر بھی مشکل سے گھر آ کر آرام کرنے پر رضامند ہوئیں۔ لیکن چند گھنٹوں میں تر و تازہ ہو کر پھر اسپتال چلی گئیں۔ ونود نے اپنے ریستوراں سے چھٹی لے رکھی تھی۔ میں دفتر سے فارغ ہوتا تو اسپتال ہوتا ہوا گھر آتا یا گھر سے اسپتال چلا جاتا۔ کریتی بچی کی پیدائش کے بعد خاصی نکھر آئی تھی۔ ونود نے تو بچی کو میری بیگم کی گود میں ڈالتے ہوئے کہا تھا.....

''بھابی جی، اس کا نام تو آپ ہی رکھیں گی۔''

''نہیں ونود، یہ حق تو اس کے دادا دادی کا ہے..... انھیں فون کرو، انھوں نے ضرور کوئی نام سوچ رکھا ہوگا۔''

www.taemeernews.com

''ان سے تو میں جنم پتری بنواؤں گا، لیکن نام آپ ہی رکھیں گی۔''

اس روز روڈولف سے ملاقات نہیں ہوئی۔ میں نے پینٹری مین سے پوچھا تو اس نے کہا۔

''کل شام وہ آیا تھا۔ ٹی وی کے سامنے بیٹھا خبریں سن رہا تھا..... کافی پیتے ہوئے پیالی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی۔ کافی دیر تک وہ سکتے کے عالم میں بیٹھا رہا تھا۔ پھر اٹھ کر چلا گیا..... آج بھی وہ اب تک نہیں آیا.....''

میں اگلے دن کریتی کو دیکھنے پھر اسپتال پہنچا لیکن روڈولف نظر نہ آیا۔ میں نے اولڈ ہاؤس جانے کا ارادہ کیا، پھر اگلے روز تک کے لئے ملتوی کر دیا۔ اگلے روز کریتی کو اسپتال سے چھٹی بھی ملنے والی تھی۔ بیگم نے ان کے کمرے میں ایک پنگوڑہ بھی لا کر ڈال دیا تھا۔ بیگم اپنے کاموں میں مگن تھیں۔ وہ جب مصروف ہوتیں، خوب خوش رہتیں اور اس طرح کے کاموں میں تو انہیں بڑی طمانیت اور تسکین محسوس ہوتی۔

اگلے روز ہم کریتی کو لینے پہنچے۔ ونودان کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ بیگم وہیں موجود تھیں۔ میں کیفے ٹیریا کی طرف چلا گیا۔ روڈولف وہاں موجود تھا۔ میں اسی کی طرف بڑھ گیا۔

''میں تو تمہاری قیام گاہ کی طرف آنے والا تھا روڈولف۔ کہاں غائب رہے، طبیعت تو ٹھیک تھی؟''

''ہاں..... کچھ خبریں میرے اعصاب پر بہت برا اثر ڈالتی ہیں۔'' اس نے کہا۔

''کیسی خبریں سن لی تھیں..... اور پھر خبریں سنتے ہی کیوں ہو۔'' میں نے کہا۔

''خرگوش کے آنکھیں بند کر لینے سے خطرہ ٹل تو نہیں جاتا۔'' اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''تمھیں اب کس بات کا ڈر ہے روڈولف۔ کوئی بھی خطرہ تمھارے لئے کیا معنی رکھتا ہے!''

وہ سر ہلاتا رہا اور کافی کی چسکی لیتا رہا۔

''میں تو اس وقت بھی خطرہ سے بہت دور تھا لیکن مجھے کیوں محسوس ہوا تھا کہ میرے چاروں طرف

www.taemeernews.com

گوشت کے جلنے کی بو پھیلی ہوئی ہے، میلوں میل گرد و غبار میں اٹا ہوا ہے، لُو کے جھکڑ چل رہے ہیں، دریا خشک ہو گئے ہیں، میں کیوں یہ سب کچھ محسوس کر رہا تھا.....!''

''شاید اس لئے.....شاید اس لئے کہ.....'' مجھ سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

سامنے سے بیگم، کریتی اور ونود وارد ہو رہے تھے۔ روڈولف کی نظریں بھی ادھر اٹھ گئیں۔ کریتی نے ونود کا سہارا لے رکھا تھا اور بیگم کی گود میں اس کی بچی تھی۔ روڈولف اٹھا اور پھولوں کی دکان کی طرف بڑھ گیا۔ حسب معمول اس نے ایک ٹیولپ خریدا اور ان کے استقبال کے لئے دروازے کے قریب کھڑا ہو گیا۔

میں بھی اس کے قریب چلا گیا۔ وہ سب قریب پہنچ گئے تو وہ ایک قدم آگے بڑھا، بیگم کی گود میں گرم کپڑوں میں لپٹی بچی کے گال سے ٹیولپ کو لگایا اور کریتی کو پیش کر دیا۔ کریتی نے مسکرا کر اسے قبول کر لیا۔

''روڈولف، ہمارے یہاں ایسے موقع پر نومولود کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔'' میں نے روڈولف سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اچھا.....'' وہ بھی مسکرایا۔ پھر بچی کے سر پر ہاتھ رکھا، کریتی اور ونود کی طرف دیکھا، ایک لمحے کو آنکھیں بند کیں، پھر بچی پر نگاہیں جمائے ہوئے آہستہ سے گویا ہوا۔

''جو کچھ زندگی میں، میں نے دیکھا.....خدایا.....اسے وہ سب کچھ نہ دکھانا!''

وہ کسی کی طرف دیکھے بغیر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے اسپتال کے احاطے سے باہر نکل گیا۔

www.taemeernews.com

نجات دہندہ

اس روز تحفے تحائف سے لدے پھندے وہ گھر پہنچے تو سب حیرت زدہ رہ گئے۔ ان سبھوں کو تشویش تھی کہ وہ بہت رنجیدہ ہوں گے، چہرہ لٹکا ہوا ہوگا، آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ لیکن ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ انہوں نے سارے تحائف میز پر رکھ دیئے اور سب کی طرف اس طرح دیکھا جیسے کوئی بڑا معرکہ سر کر کے آرہے ہوں۔

انہوں نے باری باری سب کی طرف دیکھا، پھر بولے۔

''بھئی کیا تم لوگ میری آزادی سے خوش نہیں ہو؟''

سب پھر بھی خاموش رہے۔

''ہاں بھئی کمانڈر۔ تم تو کچھ بولو۔''

''ڈیڈی ہم تو سمجھ رہے تھے.....'' مظہر نے اپنی بات پوری نہیں کی۔

''یار ریٹائر ہی تو ہوا ہوں۔ اور یہ تو ہونا ہی تھا۔ چھتیس سال تک اپنا خون پسینہ ایک کرتا رہا ہوں۔ اچھے برے اوقات کو خوشی خوشی قبول کر لینا چاہئے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے ڈیڈی، اور اب ایسی کوئی ضرورت بھی نہیں رہی تھی۔ اب آپ آرام کریں، چھتیس سال بہت ہوتے ہیں۔''

www.taemeernews.com

''نہیں بیٹے، ابھی مجھے ایک بہت ضروری کام کرنا ہے۔ اور شاید اسی لئے میں خوش بھی ہوں کہ اب میں وہ کام سرانجام دینے کے قابل ہوسکوں گا۔''

پھر ایکدم سے خاموشی چھا گئی۔ مظہر نے مما کی طرف دیکھا۔ طاہر نے نظریں اٹھائیں، مما کی طرف دیکھا اور پھر نظریں جھکالیں۔

''میں آپ کے لئے چائے لاتی ہوں ڈیڈی۔'' مریم اٹھ گئی۔

''بھئی تم لوگ کیا کیا سوچ رہے ہو۔ میں واقعی ایک مہینہ خوب اچھی طرح آرام کروں گا.....اور بی بی تم بھی تو کچھ بولو۔''

صائمہ نے کچھ نہیں کہا۔ ان کے ہونٹوں پر ہلکی سی، بے جان سی مسکراہٹ تھی۔ سب ان کی طرف ہی دیکھ رہے تھے۔

''اب تو آرام ہی آرام ہے۔ میں نے تو سب نبٹا دیا، اب کرنے کو کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ آپ گھر میں ہوں گے تو خوب باتیں کروں گی، ڈھیر ساری باتیں، جی بھر کر۔''

یہ کہتے ہوئے صائمہ کی آواز بھرا گئی جیسے وہ جی بھر کر باتیں نہیں، جی بھر کر رونا چاہتی ہوں۔

مریم چائے لائی تو گفتگو نے ذرا سا دوسرا رخ اختیار کرلیا۔

''تم سب لوگ مجھے ڈھارس دینے کو اکٹھے ہوئے تھا نا؟''

''جی ڈیڈی۔ ہم نے سمجھا تھا کہ آپ ریٹائرمنٹ پر بہت افسردہ ہوں گے۔ آج آپ کی ملازمت کا آخری دن تھا۔ پتہ نہیں آپ کیسا محسوس کریں گے اس لئے ہم سب یکجا ہوگئے۔''

''چلو اسی بہانے سب یکجا تو ہوگئے۔ تم سب مل بیٹھتے ہو تو ہمارا خون سیروں بڑھ جاتا ہے۔''

مظہر تو اسی شہر میں تھا۔ طاہر پشاور سے آگیا تھا اور مریم ابوظہبی سے آگئی تھی۔

''بھئی کمانڈر تم تو وردی میں ہمارے سامنے آیا کرو۔ بہت اچھا لگتا ہے۔''

مظہر مسکرا کر رہ گیا۔

www.taemeernews.com

کچھ دنوں پہلے ہی انہوں نے سب کو بتا دیا تھا کہ وہ کب ریٹائر ہو رہے ہیں۔ دونوں بیٹے تو پہلے ہی اصرار کرتے رہے تھے کہ انہیں اب ریٹائرمنٹ لے لینی چاہئے۔ مظہر ونگ کمانڈر تھا، شادی ہو چکی تھی اور ایک بیٹی کا باپ بھی بن گیا تھا۔ طاہر انجینئر تھا، ایک اچھی فرم میں اچھے عہدے پر ملازم تھا، مریم اپنے گھر بس چکی تھی۔ بظاہر وہ ہر طرح اپنی ذمہ داریاں پوری کر چکے تھے۔ کئی بار گھر میں اس بات پر خوب گرما گرم بحث بھی ہوئی کہ ڈیڈی ریٹائرمنٹ لے کر بیٹوں کے پاس رہنے لگیں۔ انہوں نے کبھی زیادہ سنجیدگی سے اس موضوع پر بات نہیں کی۔ بس وہ صائمہ کی طرف دیکھتے، مسکراتے، پھر کچھ افسردہ سے ہو جاتے۔ اس روز بھی کھانے کے بعد یہی موضوع چل نکلا۔ مریم بھی بھائیوں کی ہمنوا بن گئی۔ لیکن ان کا رویہ وہی رہا۔

''بھئی اگر دفتر والوں نے بہت تعاون کیا تب بھی واجبات کی وصولی میں مہینہ بھر تو لگ ہی جائے گا۔ پھر اپنے کام میں لگ جاؤں گا۔''

''کوئی نئی ملازمت.....؟'' کسی نے پوچھا۔

''نہیں بھئی، اب ملازمت نہیں۔''

وہ خاموش ہو گئے۔ ایزی چیئر کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ چہرے پر جیسے ایک سایہ سا آ کر گزر گیا۔

اگلے روز مظہر ماری پور واپس چلا گیا اور اس سے اگلے روز بیوی اور بیٹی کو وہاں چھوڑ گیا۔ ہفتے بھر بعد طاہر پشاور لوٹ گیا اور مریم پندرہ دنوں بعد ابوظہبی چلی گئی۔ چند دنوں بعد مظہر بیوی اور بیٹی کو لے گیا۔ بھرا پرا گھر آہستہ آہستہ خالی ہوا اور اس دوران ان کے دفتر والوں نے ان سے بے حد تعاون کیا۔ مہینے بھر میں ان کے واجبات انہیں ادا کر دیئے گئے۔ کبھی کبھی دفتر سے کوئی پرانا ساتھی ان سے ملنے آ جاتا اور اسے کبھی کبھی دفتر میں آ کر سب سے ملاقات کرنے کی تاکید بھی کر جاتا۔

www.taemeernews.com

''بی بی، اب میں اپنا کام شروع کروں؟''

صائمہ کچھ نہیں بولیں۔ وہ انہیں دیکھتے رہے۔

''میں نے بہت زیادتی کی ہے تمہارے ساتھ۔ سب کچھ دیکھتا رہا، سمجھتا رہا اور کچھ بھی نہ کر سکا۔''

''کیا کہہ رہے ہیں آپ۔ اتنی خوشیاں دی ہیں آپ نے..... مجھے اور کیا چاہئے تھا۔''

''نہیں بی بی، مجھے اعتراف کر لینے دو۔ بہت دیر ہو گئی بی بی.....''

''کوئی کر بھی کیا سکتا تھا!'' صائمہ نے آہستہ سے کہا۔

انہوں نے صائمہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''اب بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ میں نے ڈاکٹر سے وقت لے لیا ہے۔ کل تمہیں لے چلوں گا۔''

صائمہ نے ان کی طرف حیرت سے دیکھا، پھر ہنس پڑیں۔

''آپ ڈاکٹر کے پاس لے چلیں گے؟ اسپتال؟؟''

''ہاں..... کیوں؟''

''آپ کسی کی عیادت کرنے تو کبھی اسپتال گئے نہیں۔ اپنے بچوں کی پیدائش پر بھی اسپتال کے باہر ٹہلتے رہتے تھے، آپ اسپتال جائیں گے؟'' وہ پھر ہنس پڑیں۔

''بھئی اب ایسی بات نہیں ہے۔'' وہ کچھ جھینپے ہوئے سے بولے۔ ''میں نے اسپتال جا کر ڈاکٹر سے تمہارے لئے وقت لیا ہے۔ تم دیکھ لینا، کل میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔''

اگلے روز وقت مقررہ پر دونوں اسپتال پہنچے۔ صائمہ بار بار انہیں دیکھتیں اور جیسے ڈھارس دینے کے انداز میں ان کا ہاتھ پکڑ لیتیں۔ لیکن ان کا رویہ پہلے جیسا نہیں تھا۔ وہ قدم جما جما کر چل رہے تھے۔ ڈاکٹر کے پاس بیٹھ کر صائمہ کے بارے میں بتاتے رہے۔ صائمہ نے پھر خود ہی اپنی کیفیت اور استعمال میں رہنے والی دواؤں کے بارے میں بتایا۔

''دیکھئے، ذرا جم کر علاج کرانا ہوگا، ذرا سی کوتاہی مشکل پیدا کر دے گی۔''

www.taemeernews.com

''جی ڈاکٹر، میں پوری طرح تیار ہوں۔'' انہوں نے بڑے عزم سے کہا۔

ڈاکٹر نے کئی ٹیسٹ تجویز کئے۔ ایکسرے، الٹراساؤنڈ، سی ٹی اسکین، ایم آر آئی، خون کا ٹیسٹ اور پتہ نہیں کتنی دوائیں پابندی سے استعمال کرنے کی تاکید کی۔ وہ سب کچھ بڑی توجہ سے سنتے رہے اور اگلے دن سے اسپتال اور ڈائیگنوسٹک کے مراکز اور لیبارٹریوں کی دوڑ لگنے لگی۔ وہ سب کچھ بڑی تندہی اور پوری توجہ سے کر رہے تھے۔ صائمہ انہیں متفکر دیکھتیں اور پھر انہیں سمجھانے کی کوشش کرتیں۔

''سنئے، ان باتوں سے کیا حاصل..... خواہ مخواہ پیسے بھی برباد کر رہے ہیں اور پریشان بھی ہو رہے ہیں۔''

''بی بی، پہلے خواہش تھی کہ پیسے ہوں تو برباد کروں، اب ہیں تو برباد کر رہا ہوں۔'' انہوں نے ذرا غیر سنجیدگی سے کہا۔

''میں سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں۔ اب کوئی فائدہ نہیں۔''

''کیوں فائدہ نہیں۔ ڈاکٹر کیا کہہ رہا تھا، کہہ رہا تھا علاج ممکن ہے۔''

صائمہ نے ان کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ ان کی آنکھوں میں وہی مایوسی ڈھونڈ رہی تھیں جو خود ان کی اپنی آنکھوں میں تھی۔ لیکن انہیں ایسا کچھ نظر نہ آیا۔

''بی بی، ذرا اپنی قربانیوں پر غور تو کرو۔ اولاد کی بہتر سے بہتر تعلیم و تربیت، ان کی تمام ضروریات کو ہر چیز پر فوقیت، شادی بیاہ، ہر چیز کے لئے تم قربانیاں دیتی رہیں۔ اپنا دکھ، اپنی تکلیف سب چھپائے رکھا کیونکہ تمہاری ترجیحات تو کچھ اور تھیں!''

صائمہ نے آہستہ سے کہا۔ ''کیا میری ترجیحات غلط تھیں؟''

ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ شاید ان کی ترجیحات بھی ایسی ہی تھیں۔

''ٹھیک ہے بی بی، تم نے سب ٹھیک کیا۔ لیکن اب میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں وہ بھی ٹھیک ہے نا؟''

www.taemeernews.com

''آپ شاید سمجھ نہیں رہے ہیں۔اب کچھ نہیں ہوسکتا اور ویسے تو.....تب بھی کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔''

وہ انہیں اسپتال لے جاتے، وہ چل دیتیں۔ وہ ٹیسٹ کے لئے لے جاتے، وہ اعتراض نہ کرتیں، دوائیں پابندیِ وقت کے ساتھ وہ دیتے، وہ لے لیتیں۔ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق جب وہ پہلی بار کیموتھراپی کے لئے جانے لگیں تو بولیں۔

''سنئے، سنا ہے اس میں بڑی تکلیف ہوتی ہے!''

انہوں نے فوراً کچھ نہیں کہا۔''ڈاکٹر نے تو ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔لیکن اگر ذرا سی تکلیف سے بہتری کی امید ہے تو.....''

لیکن انہیں اپنے ساتھ اسپتال میں جاتے ہوئے وہ اب بھی ان کا ہاتھ پکڑ لیتیں جیسے انہیں ڈھارس دے رہی ہوں۔

کیموتھراپی کا پہلا سیشن ختم ہوا تو ایسا لگا جیسے انہیں کسی نے بری طرح جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ جیسے انہیں دیر تک ہر طرف سے کچلا جاتا رہا ہو۔انہوں نے صائمہ کی طرف دیکھا تو خود بھی لرز سے گئے۔

صائمہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔''مجھے گھر لے چلئے۔''

راستے میں انہوں نے صائمہ سے پوچھا۔''اگر کہو تو بچوں کو بلا لوں۔'' پھر جلدی سے بولے۔

''تمہارا دل بہلا رہے گا۔''

صائمہ کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔''نہیں.....وہ پریشان ہو جائیں گے۔''

پھر صائمہ کی طبیعت سنبھلنے لگی۔انہیں اپنے اندر توانائی سی محسوس ہونے لگی۔ڈاکٹر نے دیکھ کر کہا۔

''اگلا سیشن چھ مہینے کے بعد ہوگا۔تب تک آپ دوائیں پابندی سے لیتی رہیں۔''

صائمہ نے ان کی طرف دیکھا۔ان کے چہرے پر طمانیت تھی۔

اس دوران طاہر کئی بار آیا۔مظہر کبھی بیوی اور بیٹی کے ساتھ آجاتا، کبھی یہ دونوں ماری

www.taemeernews.com

پور جا کر دو ایک روز بیٹے کے پاس رہ جاتے۔ کچھ دنوں صائمہ کی طبیعت بہتر رہی اور پھر مردنی چھانے لگی۔ کیموتھراپی کے دوسرے سیشن کے لئے جاتے ہوئے وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

''سنئے، بڑی تکلیف ہوتی ہے۔''

''پہلے سیشن سے تمہیں فائدہ ہوا تھا نا! اب دیکھنا، بالکل بھلی چنگی ہو جاؤ گی۔''

وہ بے جان سی ہو کر اٹھیں اور ان کے ساتھ چل دیں۔ سیشن کے بعد وہ وہیل چیئر پر باہر لائی گئیں۔ ایک دو دن کے بعد انہوں نے خاصا افاقہ محسوس کیا۔ ڈاکٹر نے کہا تھا، دو سیشن اور ہو سکتے ہیں۔ اگر وہ جھیل گئیں تو مکمل صحت یابی بھی ممکن ہے۔ چند دنوں بعد وہ پھر انہیں پابندی سے چہل قدمی کے لئے لے جانے لگے۔ پھر وہ گھر کے کام کاج بھی کرنے لگیں۔ انہوں نے ایک دن ڈاکٹر سے پوچھا۔ ''ڈاکٹر، اگر انہیں کسی مغربی ملک لے جایا جائے تو.....''

''کیموتھراپی سے آگے اور کوئی چیز نہیں۔ دوسری جگہ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں ایک لیکچر کے سلسلے میں ہیوسٹن گیا تھا اور اس کیس کو زیر بحث لایا تھا۔ سب نے اتفاق کیا تھا کہ یہی سب کچھ درست ہے جو ان کے ساتھ ہو رہا ہے۔''

''پھر بھی ڈاکٹر.....''

''آپ اگر مطمئن نہیں ہیں تو اور بات ہے۔''

''نہیں ڈاکٹر، ایسی بات نہیں۔ میں صرف ممکنات پر غور کر رہا تھا۔''

''آپ تو بڑی دلجمعی سے علاج کرا رہے ہیں۔ اور مجھے ایسا لگتا ہے کہ اپنی بساط سے زیادہ ہی.....''

ڈاکٹر نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی تھی اور انہوں نے ایک نظر ڈاکٹر کو دیکھ کر اس طرح سر ہلایا تھا جیسے کہہ رہے ہوں، آپ کا اندازہ درست ہے۔

کیموتھراپی کے تیسرے سیشن کے بعد وہ خود بھی ٹوٹ پھوٹ گئے۔ لیکن ان کے عزم میں کوئی کمی نہیں آئی کہ وہ صائمہ کے لئے کچھ بھی کریں گے۔ ایک دن وہ الماری سے کاغذات

www.taemeernews.com

نکال کر الٹ پلٹ کر رہے تھے کہ صائمہ کی نظر ان پر پڑ گئی۔

''کیا ڈھونڈ رہے ہیں؟''

''کچھ نہیں ویسے ہی دیکھ رہا تھا، کیا کیا کچھ پڑا سڑ رہا ہے۔''

صائمہ نے انہیں عجیب سی نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ ان دنوں ہشاش بشاش تھیں۔ اور شاید وجہ یہ تھی کہ مظہر، طاہر، مریم سب آئے ہوئے تھے۔ رات کے کھانے کے بعد سب ایک جگہ بیٹھے تو انہوں نے مرکزی جگہ سنبھال لی۔

''بھئی میں اس انتظار میں تھا کہ سب لوگ اکٹھے ہوں تو کسی فیصلے پر پہنچا جائے۔''

سب ہمہ تن گوش تھے۔ انہوں نے اچانک کوئی اہم بات شروع کر دی تھی۔

''کیسا فیصلہ ڈیڈی؟''

''بتاتا ہوں بھئی..... بتاتا ہوں۔''

وہ آہستہ آہستہ سر ہلاتے رہے جیسے بات شروع کرنے کے لئے الفاظ ڈھونڈ رہے ہوں۔

''بھئی میں سوچتا ہوں کہ اتنے بڑے گھر میں صرف ہم دونوں رہتے ہیں، تم لوگ اپنی اپنی جگہ پیر جما چکے ہو، کبھی کبھی پرب تیوہار میں آتے ہو تو اس کے لئے اتنے بڑے گھر کی کیا ضرورت ہے۔''

انہوں نے خاموش ہو کر سب کے چہروں پر نظر ڈالی۔ سب سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس گھر کو فروخت کر دوں۔''

سب کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

''آپ نے ٹھیک فیصلہ کیا ہے ڈیڈی۔'' مظہر نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

طاہر کا سر اب بھی جھکا ہوا تھا۔ مریم کی انگلیاں کنپٹی کی طرف رینگ گئیں۔

کچھ دیر بعد سب لوگ اپنے اپنے کمروں کی طرف چلے گئے تو صائمہ نے ان کے گھٹنے

www.taemeernews.com

پر ہاتھ رکھ دیا۔

''سنئے۔ مظہر اپنی وردی میں کتنا اچھا لگتا ہے۔ میں نے جیسا چاہا تھا، ویسا ہی ہوا۔''

''ہاں بی بی۔''

''طاہر اتنا بڑا انجینئر بنا۔ اتنی اچھی ملازمت۔ یہی تو خواہش تھی میری۔''

''ہاں بی بی۔''

''مریم کا میاں اسے کتنا چاہتا ہے، اچھا کماتا ہے، ہماری بیٹی کو خوش رکھتا ہے، یہی تو چاہا تھا میں نے.....''

''ہاں بی بی۔''

''آپ نے ان سب کے حصول میں کتنی مدد کی میری، میری خواہشات کو ہمیشہ مقدم رکھا۔''

انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''اب ایک آخری خواہش بھی پوری کر دیجئے نا.....'' ان کے گھٹنے پر صائمہ کے ہاتھ کا دباؤ بڑھ گیا۔

انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ فکرمندی سے ان کی طرف دیکھتے رہے۔

''مجھے سہاگن ہی جانے دیجئے نا!''

انہوں نے اپنا ہاتھ صائمہ کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ وہ کچھ بول نہ سکے۔

صائمہ کی طبیعت ان دنوں بحال تھی۔ طاہر واپس چلا گیا۔ مریم بھی چلی گئی۔ مظہر آتا جاتا رہا۔ ایک دن صائمہ نے کہا۔

''سنئے۔ میں چند دنوں کے لئے مظہر کے پاس چلی جاؤں۔ کچھ دن وہیں رہوں گی، بہو کے پاس، پوتی کے پاس۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔ لیکن دوائیں پابندی سے لیتی رہنا۔''

صائمہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

www.taemeernews.com

اگلے دن مظہر انہیں لے کر چلا گیا۔ دوسرے دن اس کی ٹیسٹ فلائٹ تھی۔ وہ صحن میں ایزی چیئر پر جھولتے ہوئے آسمان کی طرف نظریں جمائے ہوئے تھے۔ اس وقت مظہر کو فضا میں ہونا چاہئے تھا۔ دفعتاً ٹیلی فون کی گھنٹی نے انہیں چونکا دیا۔

''ڈیڈی آپ فوراً آجایئے۔'' مظہر کی آواز تھی۔

چند لمحوں کے لئے ان پر سکتہ سا طاری ہوگیا۔

''کیا بات ہے مظہر، تمہاری مما تو ٹھیک ہیں؟''

''بس آپ جلدی سے آجایئے ڈیڈی۔''

''مجھے بتاؤ، تمہاری مما تو ٹھیک ہیں۔'' وہ تقریباً چیخ پڑا۔

''آپ آجایئے ڈیڈی۔ وہ یہاں اسپتال میں ہیں۔''

انہیں وہاں پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔

''میں تو ٹیسٹ فلائٹ پر تھا۔ مما کو ٹینا کے ساتھ کھیلتا باتیں کرتا ہوا چھوڑ کر گیا تھا۔ اچانک مجھے کنٹرول ٹاور سے فیول ڈمپنگ ایریا میں جانے کی ہدایت ملی۔ فیول ڈمپ کرنے کے بعد واپس لینڈ کرنے کو کہا گیا۔ مجھے بتایا گیا کہ مما بے ہوش ہوکر گر پڑی ہیں۔ ایمرجنسی میں مما کو یہاں کے اسپتال میں داخل کرایا گیا ہے۔'' مظہر جلدی جلدی انہیں بتا رہا تھا۔

صائمہ آئی سی یو میں آنکھیں بند کئے پڑی تھیں۔ وہ شیشے سے اندر کا نظارہ کر سکتے تھے۔ دونوں کلائیوں پر کچھ تار سے لپٹے ہوئے تھے۔ سینے پر بھی تار تھے اور ان کے سرہانے کی طرف بنے ہوئے ڈیسک پر رکھی مشینوں سے جا ملے تھے۔ کچھ سوئیاں سی حرکت کر رہی تھیں، ناک پر آکسیجن ماسک چڑھا ہوا تھا۔

''یہاں دیکھ بھال میں کوئی کمی نہیں ہوگی ڈیڈی۔''

مظہر کے کوارٹر سے اسپتال کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ انہیں آئی سی یو میں داخل ہونے کی

www.taemeernews.com

اجازت بھی نہیں تھی لیکن ان کا زیادہ وقت اسپتال کے کوریڈور میں ہی گزرتا۔ وہ شیشے کے پاس جا کر کھڑے ہو جاتے اور دیر تک صائمہ کو دیکھتے رہتے۔ صائمہ کی بہت سی باتیں ان کے ذہن میں سرسراتیں اور پھر سب آپس میں گڈمڈ ہو جاتیں۔ وہ خیالات کو کوئی شکل دینے کی کوشش کرتے لیکن کوئی واضح صورت نہ بن پاتی۔

اس عرصے میں طاہر کئی بار آیا، کچھ دن رہا، پھر واپس چلا گیا۔ مریم بھی کچھ دنوں کے لئے آئی، پھر واپس چلی گئی۔ مظہر ڈیوٹی کے بعد آئی سی یو میں صائمہ کو دیکھتا، ڈاکٹر سے باتیں کرتا، پھر ان کے پاس تھوڑی دیر بیٹھ کر کوارٹر چلا جاتا۔

''ڈیڈی، ڈاکٹر آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔''

انہوں نے شیشے سے اندر کی طرف دیکھا۔ صائمہ کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔

''دیکھئے، آپ کو یہ سن کر تکلیف تو ہوگی لیکن ہم لوگوں کی تمام کوششوں اور آپ لوگوں کی تمام دعاؤں کے باوجود، ان کی حالت میں اب کوئی تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی۔'' ڈاکٹر ان سے کہہ رہا تھا۔

''ڈاکٹر، اتنے مہینوں میں کچھ بھی نہیں ہو سکا!۔''

''جی بس اتنا ہی ہو سکا ہے کہ مصنوعی سانس وہ قبول کر رہی ہیں۔''

''پھر ڈاکٹر.....''

''وہ بہت تکلیف میں ہیں۔'' ڈاکٹر نے مختصراً کہا۔

انہوں نے مظہر کی طرف دیکھا۔ وہ نظریں نیچی کئے کھڑا تھا جیسے یہ سب کچھ وہ ڈاکٹر سے پہلے ہی سن چکا ہو۔ ڈاکٹر نے میز پر پڑے کلپ بورڈ میں ایک کاغذ کی طرف اشارہ کیا۔

''اب یہ آپ پر منحصر ہے۔ وہ بہت تکلیف میں ہیں، آپ ہی انہیں اس تکلیف سے نجات دلا سکتے ہیں۔''

www.taemeernews.com

وہ مظہر کے ساتھ کوارٹر آ گئے۔ غسل خانے میں کافی دیر لگائی۔ کپڑے تبدیل کر کے اسپتال جاتے ہوئے انہوں نے مظہر سے کہا۔

''کمانڈر، طاہر اور مریم کو بلوالو۔''

ڈاکٹر نے انہیں دیکھ کر آنکھوں آنکھوں میں ان کا عندیہ لیا۔ وہ آگے بڑھے اور میز پر کلپ بورڈ میں پھنسے ہوئے کاغذ پر دستخط کرنے لگے..... تمہاری آخری خواہش کیا تھی بی بی..... کیا تھی تمہاری آخری خواہش.....

ڈاکٹر نے اٹھ کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''لیکن ابھی نہیں ڈاکٹر..... دو ایک دن بعد.....'' ان کی آواز حلق میں پھنس گئی۔

ڈاکٹر نے سر ہلایا۔ وہ پھر شیشے کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔

''بی بی.....'' وہ دل ہی دل میں صائمہ کو آوازیں دیتے رہے، لیکن کوئی حرکت نہیں۔

چند دنوں میں مریم اور طاہر بھی آ گئے۔ سب شیشے کے سامنے کھڑے تھے، کمرے میں صائمہ کے بستر کے پاس ایک نرس اور ڈاکٹر موجود تھے۔ ڈاکٹر نے شیشے کی طرف دیکھا۔ انہوں نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔

کلائیوں سے تار الگ کر دیئے گئے۔ سینے پر سے تار الگ ہو گئے۔ سرہانے کے ڈیسک پر رکھی مشینوں کی سوئیاں بے جان ہو گئیں۔ ڈاکٹر نے صائمہ کی ناک پر سے آکسیجن ماسک ہٹا دیا۔

''لو بی بی..... تمہاری آخری خواہش بھی پوری ہوئی.....''

انہوں نے اپنے بچوں کو اپنے سینے سے لگانا چاہا لیکن وہ سب تو پہلے ہی ان سے چمٹے ہوئے تھے۔

www.taemeernews.com

بے زمین

ریستوراں میں قدم رکھتے ہی میری نظریں کاؤنٹر پر براجمان آئزک کوہن کی طرف اٹھ گئیں۔ آئزک کوہن کی عادت تھی کہ ریستوراں میں داخل ہونے والے ہر گاہک کو وہ اپنے چشمے کے اوپر سے گھورتا پھر اپنی چندیا پر چپکی ہوئی چھوٹی سی ٹوپی پر ہاتھ پھیرتا ہوا ریستوراں کے ہال میں نظریں دوڑا کر اطمینان کرتا کہ نئے گاہک کے لئے خالی میز موجود ہے۔ پھر اپنے کام میں محو ہو جاتا۔ لیکن اس وقت خلاف معمول اس کی نظریں دروازے کی طرف نہیں اٹھیں، اس نے مجھے گھور کر نہیں دیکھا اور نہ ریستوراں کے ہال میں نظریں دوڑا کر اطمینان کیا کہ میرے لئے وہاں کوئی خالی میز موجود ہے..... اس کی نظریں ہال کے ایک گوشے میں نصب ٹی وی کے بڑے اسکرین پر مرکوز تھیں اور ہال میں بیٹھے تمام لوگوں کا رخ بھی ادھر ہی تھا۔ کچھ لوگ دیوار سے ٹیک لگائے کھڑے تھے اور عملے کے افراد بھی اپنی جگہوں پر خاموش ایستادہ تھے۔ کہیں کوئی حرکت نہیں، کوئی شور نہیں اور ایسا لگ رہا تھا کہ لوگ سانسیں لینے میں بھی احتیاط برت رہے ہیں۔ خود میرا ایک قدم ریستوراں کے اندر اور ایک باہر تھا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا، باہر بھی ایسا لگ رہا تھا کہ ٹریفک بہت آہستہ چل رہی ہے۔ فٹ پاتھوں پر آمد و رفت کی وہ ریل پیل نہیں ہے جو عام طور پر اس وقت

www.taemeernews.com

ہوا کرتی تھی۔ میں نے ایک قدم آگے بڑھایا، خودکار دروازے کو آہستہ آہستہ بے آواز بند ہوتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر دبے قدموں چلتا ہوا دیوار کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا۔

اپنی نشست پر بیٹھا میں دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ میرے ساتھ والی نشست خالی ہی رہے کیونکہ تینوں جڑی ہوئی نشستیں اگر بھر جائیں تو اس بڑے جہاز کی کشادگی بھی تنگی کا احساس دلانے لگتی۔ کچھ ہی دیر میں یہاں سے مسافروں کو بٹھانے کی شروعات ہو گئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ شاید زیادہ مسافر یہاں سے نہیں سوار ہو رہے ہیں اور کچھ اطمینان سا ہوا کہ سفر کا اگلا قدم بھی آرام سے ہی طے ہوگا۔ میں ہر آنے والے کو دیکھتا رہا جو اپنی نشست تلاش کرتا ہوا گزر جاتا یا مل جانے پر بیٹھ جاتا۔

پھر جینز میں ملبوس وہ لڑکی داخل ہوئی، بھرے بھرے سڈول جسم والی، جینز کی پتلون اور جینز کی ہی جیکٹ، جو سامنے سے کھلا ہوا تھا یا اس نے بٹن بند نہیں کئے تھے۔ اس نے ایئر ہوسٹس کو اپنا بورڈنگ کارڈ دکھایا اور اس کا اشارہ سمجھ کر دھیرے دھیرے سیٹ نمبر دیکھتی ہوئی میرے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ ہیٹ ریک میں اپنا ہینڈ بیگ رکھنے سے پہلے اس نے جیب سے ایک کتاب نکالی اور مجھ سے معذرت کئے بغیر، مجھے پھلانگتی ہوئی کھڑکی کے ساتھ والی سیٹ پر دھم سے بیٹھ گئی۔ اس نے سر اونچا کر کے سامنے کی طرف دیکھا، سگریٹ نوشی سے پرہیز کا نشان دیکھ کر اس نے ایک لمبی سانس لی، پھر سیٹ بیلٹ کو گود میں رکھ کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔ اس نے مجھے ذرا سی بھی اہمیت دینے کی کوشش نہیں کی۔

جہاز نے ٹیکسی کرنا شروع کیا تو وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ چیک پوائنٹ پر جہاز ذرا سی دیر کے لئے رکا اور پھر اس نے رفتار پکڑی تب بھی وہ کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ جہاز بادلوں کو چیرتا ہوا اپنی مخصوص اونچائی پر پہنچا تب بھی وہ اپنی کتاب گود میں رکھے باہر ہی دیکھتی

www.taemeernews.com

رہی۔

میں نے اپنا سیٹ بیلٹ کھولا اور کہا۔ ''نیچے روئی کے گالوں جیسے بادلوں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آئے گا۔''

لڑکی کے خیالوں میں کچھ رخنہ پڑا۔ وہ ذرا سا چونکی لیکن میری طرف نہیں دیکھا۔ باہر ہی دیکھتی رہی۔

جہاز کا عملہ سروس کے لئے بھاگ دوڑ میں لگ گیا۔ ٹرالی ہمارے قریب آئی تو میں نے اگلی سیٹ کی پشت سے لگے ٹرے کو کھول لیا۔ لڑکی کے لئے بھی میں نے یہی کیا۔ اس نے ایک اچٹتی ہوئی نظر مجھ پر ڈالی اور اپنی کتاب درمیان کی خالی سیٹ پر رکھ دی۔

''سفر میں دلچسپ کتاب اچھی ہم سفر ثابت ہوتی ہے!'' میں نے آہستہ سے کہا۔

اس نے سامنے ٹرے پر رکھے کھانے کے سامان کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔

''لیکن اچھی گفتگو کرنے والا شخص بھی اچھا ہم سفر ثابت ہوسکتا ہے..... یونہی، بس وقت گزاری کے لئے!'' میں نے پھر کہا۔

اس نے گہری نظروں سے مجھے دیکھا۔

''کیا چاہتے ہو تم..... دوستی کرنا چاہتے ہو! کیا جاننا چاہو گے؟ میرا نام؟ پتہ؟ میرا نام لیلیٰ رجب علی ہے، عمان میں سوار ہوئی اور نیویارک تک کا سفر اختیار کیا ہے۔ وہیں رہتی ہوں، ایک بزنس اسکول میں داخلہ لے رکھا ہے..... بس داخلہ! چھوٹی چھوٹی ملازمتیں کرتی ہوں اور گھر والوں کے لئے کچھ پس انداز کر لیتی ہوں..... کیا اتنا کافی ہے یا.....''

اس نے مجھے گھور کر دیکھا۔ میں کچھ گڑبڑا سا گیا۔ اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ جسم سے جس تیزی و طراری کا اظہار ہو رہا تھا چہرہ اس کے بالکل برعکس سُتا ہوا، اداس اداس سا، سوچ میں ڈوبی ہوئی بجھی بجھی سی آنکھیں، پیشانی پر کچھ سلوٹیں سی۔

www.taemeernews.com

''معاف کرنا خاتون۔تم نے تو ایک ساتھ ہی بہت کچھ بتا دیا۔ میں یہ سب کچھ آہستہ آہستہ جاننا چاہتا تھا تاکہ راستہ آسانی سے طے ہو۔لیکن.....خیر۔''میں نے پھر بھی ڈھٹائی سے کہا۔

اس کے چہرے پر کچھ نرمی کے آثار نظر آئے لیکن کچھ بولی نہیں۔

''میں پچھلے آٹھ دس گھنٹوں سے زباں بندی میں مبتلا ہوں۔ جہاز پر سوار ہونے سے عمان پہنچنے تک، پھر ٹرانزٹ لاؤنج میں تقریباً تین گھنٹے تک انتہائی مہنگی وِنڈو شاپنگ کرتا رہا، اب پھر چھ سات گھنٹوں کا سفر درپیش ہے۔ میں تو بس اپنی زباں بندی کے خلاف احتجاج کر رہا تھا۔تم شاید سفر میں گفتگو پسند نہیں کرتیں!''

اس کا تناؤ مزید کم ہوا۔

''کہاں سے آرہے ہو؟''

''چلو برف پگھلی۔ میں اتنی تیزی سے سب کچھ نہیں بتاؤں گا جتنی تیزی سے تم نے بتایا تھا اپنے بارے میں.....آہستہ آہستہ.....آہستہ آہستہ.....''میں نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔پھر تو گفتگو نے بے تکلفی کے بہت سارے فاصلے تیزی سے طے کر لئے۔اس نے ایک بار بھی اپنی کتاب کھولنے کی ضرورت محسوس نہیں کی یا پھر اسے اس کا موقع ہی نہیں ملا۔اسٹیورڈس نے کھانے کا سامان سمیٹا تو اس نے آہستہ سے کہا۔

''تم نے اس کی خوبصورتی کی تعریف نہیں کی؟''

''تمہاری بجائے کوئی مرد ساتھی ہوتا تو میں ایسا کر سکتا تھا۔تم خواہ مخواہ برا مانتیں۔''

وہ ہنس دی۔

جو راستہ سست رفتاری سے طے ہونے والا تھا وہ تیزی سے طے ہو گیا۔ جان ایف کینیڈی ایئرپورٹ پر ہم دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے امیگریشن کاؤنٹر پر پہنچے۔ میں نے اسے

www.taemeernews.com

اپنے آگے کر دیا۔ اس نے امیگریشن آفیسر کو پاسپورٹ دیا۔

''اردن.....اوہ!'' آفیسر کچھ چونکا۔

لیلیٰ نے کوئی توجہ نہیں دی۔ شاید وہ اس رویے کی عادی تھی۔

''ریفیو جی! اردنی ریفیو جی پاسپورٹ۔'' آفیسر آہستہ سے بولا۔ اس کا انداز سوالیہ نہیں تھا۔ لیلیٰ بھی خاموش رہی۔

''تم عمان سے آرہی ہو؟'' آفیسر نے پوچھا۔

''ہاں۔'' لیلیٰ نے جواب دیا۔

''کوئی اور شناخت ہے تمہارے پاس؟'' آفیسر نے پوچھا۔

لیلیٰ نے اپنے جیکٹ کی ایک جیب سے شناختی کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

آفیسر نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ ''اسرائیلی.....اسرائیلی شناختی کارڈ!'' وہ بڑبڑایا۔

لیلیٰ آفیسر کے ہاتھوں کو دیکھتی رہی۔

''تم نے شہریت کے خانے میں فلسطین لکھا ہے۔!'' اس نے لیلیٰ کو گہری نظروں سے دیکھا۔

''میں ہمیشہ یہی لکھتی ہوں۔ گزشتہ کئی داخلوں پر میں نے یہی لکھا تھا۔'' اس نے آفیسر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

آفیسر اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کمپیوٹر کی طرف دیکھا۔ کی بورڈ پر انگلیاں چلائیں اور کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر اس نے ٹیلی فون پر کسی سے بات کی۔ شاید یہ انٹر کام تھا۔ اس نے پھر کمپیوٹر پر کچھ دیکھا اور اس لینڈنگ کارڈ کو دیکھنے لگا جو پاسپورٹ کے ساتھ لیلیٰ نے اسے دیا تھا۔

''پاسپورٹ.....اردنی، اسٹیٹس.....ریفیو جی، شناختی کارڈ.....اسرائیلی، شہریت.....'' وہ آہستہ آہستہ پڑھتا ہوا قلم سے نشان زد کرتا ہوا، شہریت کے خانے میں لکھے ہوئے لفظ فلسطین کو اس نے کاٹ دیا۔ ایک نظر کمپیوٹر کی طرف دیکھا، پھر اپنے قلم سے اس خانے میں لکھا۔

www.taemeernews.com

''UN-CERTAIN''۔

لیلیٰ کے چہرے پر تناؤ بڑھ گیا۔ اس نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔ شاید یہ اس کے ساتھ ہوتا رہا تھا۔
آفیسر نے پھر اپنے لکھے ہوئے حروف پر قلم چلا کر انہیں گہرا کیا۔

''UN-CERTAIN''۔

میں نے محسوس کیا کہ یہ لفظ 'غیر یقینی' تو میرے دماغ پر بھی ضرب لگا رہا ہے۔ لیلیٰ کو پاسپورٹ واپس ملا تو اس نے میری طرف نہیں دیکھا۔ وہ تیزی سے بیگج ایریا میں اپنا سامان لینے چلی گئی۔

آفیسر نے میرے معاملے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔ میں پاسپورٹ لے کر بیگج ایریا میں پہنچا تو لیلیٰ نظر نہیں آئی۔ میں نے اپنا سوٹ کیس اٹھایا اور کسٹم سے گزرنے لگا تو دور ایک کاؤنٹر پر لیلیٰ نظر آئی۔ اس کا سوٹ کیس کھلا ہوا تھا اور کسٹم آفیسر ایک ایک کپڑے کو جھاڑ جھاڑ کر جانچ پڑتال کر رہا تھا۔

میں ایک لمحے کو ٹھٹکا، پھر مناسب نہ سمجھ کر باہر نکل گیا۔ کچھ دیر بعد لیلیٰ بھی باہر نکل آئی۔ اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا، پیشانی شکن آلود تھی اور شاید غصے کی شدت نے اس کی آنکھوں میں سرخ ڈورے ڈال دیئے تھے۔

میں خاموشی سے اس کے پاس کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد میں نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''لیلیٰ، ہم تیسری دنیا والوں کے مقدر میں یہ سب جھیلنا تو لکھا ہی ہے۔''
اس کی آنکھیں دھندلا گئیں۔ ''ہم تو کسی بھی دنیا کے نہیں ہیں!''
اس کی آواز بھی بھرا گئی۔ مجھے ایسا لگا کہ اگر میں نے ذرا بھی ہمدردی دکھائی تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے گی۔

www.taemeernews.com

''میرا قیام تو کوئنس میں ہے۔تم کہاں جاؤ گی؟''میں نے پوچھا۔

''میں چلی جاؤں گی۔''اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا۔

''میرا مطلب ہے تمہارا قیام کہاں رہے گا؟ میں تم سے ملنا چاہوں گا۔''

''اس بس اسٹاپ تک میرا ساتھ دو۔'' اس نے سڑک کے اس پار بس اسٹاپ کی طرف اشارہ کیا۔ہم دونوں اپنے وہیلر سوٹ کیس گھسیٹتے ہوئے بس اسٹاپ پر پہنچے۔

'' یہ سامنے ریستوران دیکھ رہے ہو؟ کل شام سات بجے یہاں آجانا۔'' اس نے میری طرف دیکھے بغیر بڑے اعتماد کے ساتھ کہا۔

میں نے ریستوراں کی طرف دیکھا اور سر ہلا دیا۔

سات بجنے سے پہلے ہی میں نے ریستوراں میں قدم رکھا تو کاؤنٹر کی طرف نظر اٹھ گئی۔

کاؤنٹر پر بیٹھے شخص نے چشمے کے اوپر سے مجھے گھور کر دیکھا، پھر اپنی چندیا پر چپکی ہوئی چھوٹی سی ٹوپی پر ہاتھ پھیرتا ہوا ہال پر نظر دوڑائی اور شاید یہ اطمینان کیا کہ نئے گاہک کے لئے ہال میں خالی میز موجود ہے۔

میں اس ریستوراں میں پہلی بار آیا تھا۔اکثر میزیں بھری ہوئی تھیں۔ایک میز پر لیلیٰ اکیلی بیٹھی نظر آئی۔میں تیزی سے اس کے پاس پہنچا۔

''میں نے تو سوچا تھا میں تمہارا استقبال کروں گا۔لیکن تم تو پہلے سے موجود ہو۔''

لیلیٰ مسکرائی۔خاصی تر و تازہ لگ رہی تھی۔جسم پر اب بھی جینز کی پتلون اور جیکٹ تھی۔

''میں نے تمہیں انتظار کی بوریت سے بچالیا۔تم شکریہ ادا کرو۔''

''شکریہ تو مجھے بہت سی باتوں کا ادا کرنا ہے۔مثلاً میں نے ملنے کی خواہش کی اور تم نے وقت دے

www.taemeernews.com

دیا۔''

''میرے پاس فی الحال وقت ہی وقت ہے۔''اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

''لیلیٰ، میں تمہارے کسی کام آ سکتا ہوں؟''میں نے اس سے نظریں ملائے بغیر پوچھا۔''میں کوئی فلرٹ نہیں کر رہا ہوں لیلیٰ، لیکن میں تمہارے لئے بڑی اپنائیت سی محسوس کر رہا ہوں۔''

''رحم کھا رہے ہو میرے حالات پر!''وہ آہستہ سے ہنسی۔

''سوری لیلیٰ.....شاید مجھے بات کرنے کا سلیقہ نہیں ہے۔''

''نہیں، تم نے سوری والی کوئی بات نہیں کی۔''

ریستوراں کی ایک میز کے گرد کچھ سن رسیدہ ادیب صحافی قسم کے لوگ بیٹھے تھے۔ایک میز کے گرد نوجوانوں کا ٹولہ تھا اور لگتا تھا یہ گانے بجانے والی کوئی پارٹی ہوگی۔ایک گوشے میں بڑی اسکرین کا ٹی وی چل رہا تھا، شاید رگبی کا لائیو ٹیلی کاسٹ تھا، کچھ لوگ بڑی توجہ سے اس کے قریب دیوار سے ٹیک لگائے کھیل دیکھنے میں محو تھے۔

''اس کاؤنٹر پر ٹوپی والا جو بیٹھا ہے، وہ اس ریستوراں کا مالک ہے۔آئزک کوہن نام ہے اس کا۔ اس کے گھورنے سے تم پریشان تو نہیں ہوئے تھے؟''لیلیٰ نے پوچھا۔

''ہاں مجھے کچھ عجیب سا تو لگا تھا۔''میں نے جواب دیا۔''لیکن تم اسے.....''

''اس کی عادت ہے۔ میں یہاں جاب کر چکی ہوں۔آج بھی میں نے اس سے جاب کے لئے بات کی تھی۔''

''پھر.....کیا رہا؟''میں نے پوچھا۔

''اس کی عادت ہے، صاف جواب نہیں دیتا۔کئی دنوں تک دوڑائے گا، پھر جاب دے دے گا۔ مجھے معلوم ہے وہ جاب دے سکتا ہے، اسے ضرورت ہے۔''

میں نے سر گھما کر کاؤنٹر پر بیٹھے آئزک کوہن کی طرف دیکھا۔

www.taemeernews.com

''بہت کمینہ شخص ہے۔'' لیلیٰ کے لہجے میں بڑی تلخی تھی۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا۔

''یہ دوسروں سے کم اجرت دیتا تھا مجھے..... میری مجبوری تھی، میں کام کرتی رہی۔''

''تم نے احتجاج نہیں کیا؟'' میں نے پوچھا۔

''تم نے میرا پاسپورٹ دیکھا ہے نا! ہمیں اسی طرح کی جاب ملتی ہے۔ جن کے پاس کام کرنے کا اجازت نامہ نہیں ہوتا، اسے یہ لوگ جاب ضرور دیتے ہیں لیکن ان کی مجبوری سے ناجائز فائدہ بھی ضرور اٹھاتے ہیں۔''

مجھے ان حالات کا علم تھا۔ میں صرف سر ہلا کر رہ گیا۔

''جاب کے بغیر تو مشکل ہو جائے گی۔ تمہارا اپنا اپارٹمنٹ ہے یا کسی کے ساتھ شیئر کرتی ہو؟''

''میں اپنی ایک دوست کے ساتھ رہتی تھی۔ وہ ایک ڈیپارٹمنٹ اسٹور میں ملازمت کرتی تھی۔ کل میں پہنچی تو میری جگہ.....'' وہ رک گئی۔

''کیا مطلب؟ اس نے کسی اور کو رکھ لیا؟ پھر تم کہاں گئیں؟'' میں نے کئی سوال ایک ساتھ کر لئے۔

''ہمارے اڑوس پڑوس میں بہت سے دولت مند خطے ہیں۔ وہاں سے لڑکے پڑھنے کے لئے آتے ہیں اور یونیورسٹی کی بورڈنگ کی بجائے اپنے اپارٹمنٹ لے کر رہتے ہیں۔ انہیں ہم جیسوں کے ساتھ رہنا زیادہ پسند ہے۔'' اس کے لہجے میں کڑواہٹ تھی۔

''ہم پڑھنے آتے ہیں اور پڑھ نہیں سکتے۔ وہ پڑھ سکتے ہیں لیکن پڑھتے نہیں۔'' وہ پھر بولی۔

''میں جانتا ہوں لیلیٰ۔ لیکن تم نے کل سے آج تک کا وقت کہاں گزرا؟''

''نواح کے ایک موٹیل میں۔ جاب کے ساتھ کسی پارٹنر کو بھی تلاش کر رہی ہوں۔''

میں ٹی وی کی طرف دیکھنے لگا۔ رگبی کا کھیل اب بھی جاری تھا۔

''تم..... چند دنوں کے لئے..... مجھے سر چھپانے کی جگہ دے سکتے ہو؟ میں بھی کوئنس میں ہی کوئی جگہ تلاش کر لوں گی۔ اس ریستوراں میں آنے جانے میں سہولت رہے گی۔''

www.taemeernews.com

میں نے فوراً جواب نہیں دیا۔

''میں کچھ زیادہ ہی توقع کرنے لگی ہوں تم سے..... شاید مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے۔'' وہ بولی۔

''ایسی بات نہیں ہے لیلیٰ۔ مجھے ایک دن کی مہلت دے دو۔ میں اپنی لینڈ لیڈی سے بات کرلوں۔ میں نے تنہا رہنے کے لئے اس سے اپارٹمنٹ لیا تھا۔ اگر اسے کوئی اعتراض نہ ہوا تو تم میرے ساتھ خوشی سے رہ سکتی ہو۔ لیکن تم.....'' میں جملہ پورا نہ کرسکا۔

''گھبراؤ نہیں، میں زیادہ دن تمہیں تکلیف نہیں دوں گی۔ اور میں یہ بھی بتا دوں کہ مجھ جیسے لوگ مشکل سے مشکل حالات میں جی رہے ہیں۔ اور یہ کہ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔''

''گھبرا تو تم رہی ہو لیلیٰ۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

وہ بھی ہنس دی۔ پھر اٹھ کر سروس کاؤنٹر کی طرف چل دی۔ واپس آئی تو اس کے ہاتھوں میں کافی کی ٹرے تھی۔

''ہم کل اسی وقت یہاں مل رہے ہیں نا؟'' میں نے پوچھا۔

''میں تو آؤں گی ہی۔ تمہارے بارے میں نہیں کہہ سکتی۔'' وہ ہنسی۔

''میں بھاگ نہیں رہا ہوں لڑکی۔ اگر میری لینڈ لیڈی نے اجازت نہیں دی تو ہم دونوں مل کر کوئی اور اپارٹمنٹ تلاش کرلیں گے۔''

لیلیٰ چند ہی دنوں میرے ساتھ رہی۔ اس عرصے میں زیادہ تر وہ ریڈیو سے دور دراز کی خبریں سنتی۔ ٹی وی پر مقامی چینلز سے نشر ہونے والی خبروں میں اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ آئزک کوہن کے ریستوراں وہ روزانہ جاتی اور ایک دن کوہن نے اسے جاب پر بلالیا۔ اسے دوسرا اپارٹمنٹ بھی مل گیا۔ وہ کافی مصروف ہوگئی۔ اپنے اپارٹمنٹ میں وہ کبھی نہ ملی۔ اس سے ملنے کے لئے ریستوراں ہی جانا پڑتا۔ وہ سولہ سولہ گھنٹے کام کرتی۔ ایک دن میں دفتر جانے کے لئے نکلنے ہی

www.taemeernews.com

والا تھا کہ وہ اچانک آ گئی۔

''لیلیٰ..... خیریت؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں، آج میں نے چھٹی کر لی ہے۔ بہت تھک گئی ہوں۔ آرام کروں گی۔ خوب سوؤں گی۔'' اس نے اپنا جیکٹ کرسی پر پھینکتے ہوئے کہا۔

''ہاں لیکن.....'' میں نے اس سے کچھ پوچھنا چاہا۔

''میرے اپارٹمنٹ میں سکون نہیں ہے۔ میری پارٹنر بہت اونچی آواز میں ٹی وی چلاتی ہے۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔ میں تو چلا۔ یہ ڈپلی کیٹ چابیاں رکھ لو۔ اگر میری واپسی سے پہلے جانا ہو تو دروازے بند کر دینا۔''

''نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔ جب تم واپس آؤ گے تب ہی جاؤں گی۔'' وہ ریڈیو کو خبروں کے لئے ٹیون کرتی ہوئی بولی۔

''سنو، میں تمہیں بتانے آئی ہوں کہ میں نے واپس جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

ایک روز ریستوراں سے واپسی پر وہ میرے پاس آ گئی۔ اس وقت میں سونے کی تیاری کر رہا تھا۔

''لگتا ہے بہت پیسے جمع کر لئے ہیں تم نے!'' میں نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

''اب لگتا ہے، یہ سب غیر ضروری ہے۔'' اس نے حسب معمول اپنا جیکٹ اتار کر کرسی پر پھینک دیا۔ قمیض کے اوپر کے دو تین بٹن کھول دیئے اور صوفے پر تقریباً لیٹ سی گئی۔

''تمہارے لئے کچھ پینے کے لئے لاتا ہوں۔''

اس نے کچھ نہیں کہا۔ میں نے فریج سے کوک کے دو کین لا کر اس کے سامنے رکھ دیئے۔

''لیلیٰ..... ایک بات پوچھوں؟ تم جواب نہ دینا چاہو تو کوئی بات نہیں۔''

اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ ذرا سا مسکرائی۔

www.taemeernews.com

''تم نے اپنے گھر والوں کے بارے میں کبھی کچھ نہیں بتایا۔ کیا تم پر بہت زیادہ ذمہ داریاں ہیں؟''

وہ مجھے دیکھتی رہی لیکن کین ہاتھ میں لئے اسی طرح لیٹی سی رہی۔ پھر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''تم نے بہت دیر کر دی یہ سوال پوچھنے میں۔ میں بہت پہلے توقع کر رہی تھی۔''

میں نے بھی کوک کا کین اٹھالیا۔

''میں دو ذہین نوجوان بھائیوں کی لاڈلی بہن تھی۔ ایک غیور باپ کی بیٹی تھی۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ میں نے اسے ایک نظر دیکھا، اس وقت وہ مجھے بڑی پُر اسرار سی لگی۔ ''اب میں دو چھوٹی بہنوں اور ایک چھوٹے بھائی کی ایک ذمہ دار بہن ہوں اور ایک بوڑھی ماں کی ہونہار بیٹی۔''

مجھے اندازہ ہوا کہ لیلیٰ نے یہ سب کچھ بڑی مشکل سے کہا ہے۔ مجھے پہلے بھی کچھ اندازہ تھا اور اب میں پوری طرح سمجھ سکتا تھا کہ اسے کس طرح کے حالات کا سامنا ہے۔ شاید وہ کچھ اور بھی کہتی لیکن میں نے گفتگو کا رخ موڑ دیا۔

''تم کب تک جانا چاہ رہی ہو؟''

''حالات بہت خراب ہیں..... بہت خراب.....'' وہ خود کلامی کے سے انداز میں بولی۔

''تمہارے وہاں جانے سے حالات.....'' میں جملہ پورا نہ کر سکا۔ اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا تھا۔ میرے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔

ٹی وی پر ایک ہی منظر تھا۔ دنیا بھر کی نظریں شاید اس وقت ٹی وی کے اسی منظر کو دیکھ رہی ہوں گی۔ میں نے ذرا سا گردن موڑ کر ریستوراں کے ہال میں نظریں دوڑائیں۔ اکثر میزیں بھری ہوئی تھیں۔ آئزک کوہن اپنی چندیا پر چھوٹی سی ٹوپی کو سنبھالنا شاید بھول گیا تھا کیونکہ وہ ایک طرف ڈھلک سی گئی تھی۔ چشمہ ناک پر ہی ٹکا ہوا تھا۔ کچھ لوگ میری ہی طرح دیوار کے ساتھ لگے ہوئے ساکت کھڑے تھے اور گوشے میں نصب ٹی وی کے بڑے اسکرین پر منظر میں کوئی

www.taemeernews.com

تبدیلی نہیں ہو پا رہی تھی.....

وہ بھی ایک ریستوراں کا ہی منظر تھا۔ کچھ لوگ ڈرے سہمے ہوئے اپنی میزوں کے گرد ساکت بیٹھے تھے، کچھ خوفزدگی کے عالم میں ادھر اُدھر کھڑے تھے، کیمرہ اس لڑکی کو فوکس کر رہا تھا جس نے جینز پہن رکھی تھی، جینز ہی کی جیکٹ، اور اس کا گریبان کھلا ہوا تھا اور جسم سے لپٹے ہوئے گرینیڈ اور بارودی ہتھیار پہچانے جا سکتے تھے۔ اس کے ایک ہاتھ میں غالباً ریموٹ کنٹرول تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس نے جیکٹ ہٹایا ہوا تھا۔ وہ مسلسل بول رہی تھی، لیکن اس کی زبان سمجھنے والے اس ہال میں کم ہی تھے..... اگلے لمحے جو کچھ ہونے والا تھا، شاید اکثر لوگوں کو اس کا اندازہ تھا۔ میرا جی چاہا زور سے آواز دوں.....

''کیا کر رہی ہو تم..... سنو..... ایسا مت کرنا..... ایسا مت کرنا.....''

اگلے لمحے میں نے اپنی آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھ لئے اور دیوار کی طرف منہ پھیر لیا۔

○○

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

چہار درویش

حسن کے لئے اس سے زیادہ دل بستگی کا سامان اور کوئی نہیں تھا کہ وہ کھڑکی کے سامنے کھڑا ہو کر باہر کے ایک گھنے درخت کے دو شاخے میں الجھے ہوئے گھونسلے سے پھدک پھدک کر اندر باہر ہوتی ہوئی چڑیا کو دیکھتا رہے اور اس کی چہکار سنتا رہے۔

اس وقت بھی وہ اسی نظارے میں محو تھا کہ اچانک وہ تشویش میں مبتلا ہو گیا۔ چڑیا اچانک خاموش ہو کر اپنے گھونسلے میں دبک گئی تھی۔ اس نے غور کیا تو اسے بھی کچھ گھڑ گھڑاہٹ سی سنائی دی۔ اس نے مڑ کر علی کی طرف دیکھا جو ایک گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بڑی بے ترتیبی سے لیٹا ہوا تھا۔

''کیا ہوا؟'' علی نے اسے حیرت میں مبتلا دیکھ کر پوچھا۔

''علی یہ آواز.....''

''ہاں یہ آواز..... یہ کسی جہاز کی آواز ہے۔'' اس نے اسی لاپرواہی سے جواب دیا۔

''لیکن..... جہاز تو.....'' اس کا جملہ پھر ادھورا رہ گیا۔

علی اسے گھور کر رہ گیا۔

www.taemeernews.com

''علی ہمارے جہاز تو.....'' حسن نے پھر کہنا چاہا۔

''حسن کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ یہ ہمارے جہاز نہیں ہیں، وہ تو کب کے گل سڑ چکے۔''

''پھر؟'' حسن نے پوچھا۔

''پھر کیا؟ تم بھی سخت غافل ہو۔''

حسن نے باہر کی طرف دیکھا۔ گھونسلے کے اِرد گرد سناٹا تھا۔ اسے کچھ آتشیں بوسی محسوس ہوئی۔ اس کی پیشانی پر پڑی سلوٹیں دور ہوتی گئیں۔ اس نے پلٹ کر علی کی طرف دیکھا، وہ اب بھی اسی لاپرواہی سے ٹیڑھا میڑھا لیٹا ہوا تھا۔

''آج صدیق اور طاہر کہاں رہ گئے؟'' علی نے جیسے خود سے پوچھا۔

حسن نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ علی کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ علی نے پاس پڑی ہوئی تاش کی گڈی اٹھائی اور دونوں ہاتھوں سے پھریری لگانے لگا۔ دیر تک وہ تاش پھینٹتا رہا، پھر بے دلی سے ایک طرف رکھ دیا۔ حسن کبھی علی کو دیکھتا اور کبھی تاش کی گڈی کو۔

''صدیق اور طاہر کہاں مر گئے آج!'' علی نے پھر جھنجھلاہٹ سے کہا۔

''آتے ہی ہوں گے۔ شاید دفتر میں یا دوکان میں.....'' حسن نے کہتے ہوئے ایک نظر اس پر ڈالی۔

''کون سا دفتر.....کیسی دوکان.....'' علی مزید جھلایا۔

حسن نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ جانتا تھا علی کیا کہہ رہا ہے۔ دفتروں میں حاضری ہوتی لیکن کوئی وقت کی پابندی نہ کرتا۔ ایک عجیب سی اکتاہٹ ہر کارکن پر سوار رہتی۔ کوئی اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگتا، دوسرے اس کی طرف دیکھتے جیسے جاننا چاہتے ہوں کہ اسے کیا کچھ نظر آیا۔ کوئی آسمان کی طرف ٹکٹکی لگائے دور تک دیکھنے کی کوشش کرتا، پھر مایوسی سے واپس آ کر اپنی کرسی پر ڈھیر ہو جاتا۔ کوئی زور زور سے سانسیں لے کر کچھ سونگھنے کی کوشش کرتا، پھر

www.taemeernews.com

میز پر ہاتھ مار کر رہ جاتا۔ ایک عجیب سی اکتاہٹ، عجیب سی بے دلی اور عجیب سی تشویش..... ساری فضا عجیب سے احساس سے بوجھل تھی۔

کچھ دور سے کسی بچے کے رونے کی آواز سنائی دی اور کچھ فاصلے پر کچھ عورتوں کی گفتگو کی آواز۔ پھر کسی نے اندر کی طرف کھلنے والے دروازے کو تھپتھپایا۔ علی نے اکتاہٹ سے خود کو سمیٹا اور اندر چلا گیا۔ حسن نے تاش کی گڈی اٹھالی۔

کچھ دیر بعد علی واپس آیا۔

''حسن، میں ذرا پڑوس سے ہو کر آتا ہوں۔ فاطمہ بیمار ہے، پڑوس کی بچی! کئی دن سے اسے بخار ہے، دوا مل نہیں رہی ہے۔ میرے پاس یہ دوا پڑی تھی، شاید کچھ کام کر جائے۔ اسے دے کر ابھی آتا ہوں۔'' علی نے رک رک کر کہا۔

حسن نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔ علی کے ہاتھ میں چھوٹی سی ایک شیشی تھی۔

تبھی صدیق اور طاہر آتے دکھائی دیئے۔

''کہاں مر گئے تھے تم لوگ.....'' علی نے ناراضگی سے پوچھا۔

ان دونوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے آ کر قالین پر ڈھیر ہو گئے۔

''دفتر گئے تھے؟'' کچھ دیر بعد حسن نے صدیق سے پوچھا۔

صدیق نے کوئی جواب نہیں دیا، پھیکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر پھیلی اور غائب ہو گئی۔

''تم گئے تھے؟'' اس نے حسن سے پوچھا۔

حسن دوسری طرف دیکھنے لگا۔

کچھ دیر بعد اس نے طاہر سے پوچھا۔ ''دوکان کھولی تھی؟''

طاہر نے خالی خالی نظروں سے حسن کی طرف دیکھا۔ تبھی پھر کچھ گھڑ گھڑاہٹ سی سنائی دی۔ تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، ایک نظر باہر کی طرف ڈالی اور پھر لیٹ گئے۔

www.taemeernews.com

علی واپس آیا تو سب نے اس کی طرف کچھ پُر امید نظروں سے دیکھا۔ علی باری باری سب کچھ دیکھتا رہا۔

''میں نے کچھ نہیں دیکھا۔'' وہ تیزی سے بولا۔

علی اندر کی طرف چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ایک کیتلی اور چند پیالیاں لے کر واپس آیا۔

''چلو قہوہ پیو اور تاش پھینٹو۔'' اس نے کیتلی اور پیالیاں ایک طرف رکھ دیں۔

''چینی کی ڈلیاں ختم ہو گئی ہیں۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چاروں سنبھل کر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ پتے تقسیم ہوئے اور کھیل شروع ہو گیا۔

''صدیق، تمہاری چال ہے۔'' طاہر نے صدیق کو ٹھونکا دیا۔ صدیق سنبھل کر بیٹھ گیا۔

''حسن، یہ کیا کر رہے ہو؟ کون سا پتا پھینک رہے ہو!'' علی جھلایا۔

حسن کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ یہ بازی تو گئی، اس نے سوچا۔

دوسری بازی کے لئے پتے پھینٹے جانے لگے تو وہ قہوہ کی پیالی لے کر کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔ گھونسلے کے اردگرد اب بھی خاموشی تھی۔

''حسن اب آ بھی جاؤ۔'' اسے علی کی آواز سنائی دی۔

حسن واپس آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے پوری توجہ سے پتوں کو سمجھنے کی کوشش کی لیکن ان پتوں میں اسے کوئی چھوٹا یا بڑا دکھائی نہ دیا، سارے پتوں کے رنگ ایک جیسے نظر آئے۔ اس نے اکتا کر سارے پتے پھینک دیئے۔

کسی کو کوئی حیرت نہیں ہوئی، کسی کو غصہ نہیں آیا۔ ان تینوں نے بھی اپنے پتے پھینک دیئے۔

''یارو، ابھی تو شام ہوئی ہے، رات کیسے کٹے گی۔'' علی نے بڑے کرب سے کہا۔

www.taemeernews.com

''جیسے پچھلی ہزاروں راتیں کٹی ہیں۔'' طاہر نے تلخی سے کہا۔

''میں تو کہتا ہوں جو ہونا ہے ہو ہی جائے۔'' صدیق نے کہا۔

''کیا ہو جائے؟'' طاہر نے پوچھا۔

''اِس پار..... یا اُس پار.....'' صدیق نے کہا۔

''اُس پار.....؟'' علی تلخی سے مسکرایا۔

''یارو کسی طرح یہ بے یقینی تو ختم ہو۔'' صدیق نے اپنے الفاظ میں زور پیدا کیا۔

''بے یقینی! کب سے ہے یہ بے یقینی؟'' حسن نے جیسے خود سے پوچھا۔

''ہمیشہ سے ہے، ازل سے ہے۔ میں نے اسی بے یقینی میں آنکھیں کھولی ہیں۔'' علی سنبھل کر بیٹھ گیا۔

کہیں دور ایک دھماکہ ہوا، پھر دھماکے ہوتے ہی چلے گئے۔ خاموشی مسلط تھی۔ سیکڑوں دھماکوں کے بعد سناٹا طاری ہو گیا۔ کمرے کی تیز روشنی میں سب کے چہرے زرد زرد سے ہو رہے تھے۔

''تم لوگ خوفزدہ ہو؟'' علی نے ہنسنے کی کوشش کی۔

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''آوازیں دور سے آئی تھیں، دھماکے دور کہیں ہوئے ہیں۔'' علی نے پھر کہا۔

''یارو یہ شہر کے چاروں طرف کھدائی کس لئے کرائی گئی ہے؟'' حسن نے اچانک پوچھا۔

''جنگ کی تیاری ہے۔'' صدیق نے جواب دیا۔

''خندقوں میں جنگ لڑی جائے گی؟'' طاہر نے پوچھا۔

''ممکن ہے بموں سے بچاؤ کے لئے کوئی تدبیر کی گئی ہو۔'' صدیق نے ہی کہا۔

علی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''یارو بھوک لگ رہی ہے، کچھ کھانے کے لئے لاتا ہوں۔''

www.taemeernews.com

''کوئی ایک لائٹ تو بجھا دو، تیز روشنی بہت بری لگ رہی ہے۔'' حسن نے کہا۔

''اچھی کیا چیز لگ رہی ہے!'' طاہر آہستہ سے بولا۔

رات بہت آہستہ آہستہ اُتر رہی تھی۔ کبھی کبھی کوئی موٹر کار زناٹے سے خاموشی کا اسرار توڑ کر گزر جاتی۔ چاروں اچانک ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتے، تاش پھینٹتے، پتے بانٹتے، کچھ دیر کھیلتے، پھر پتے پھینک کر پسر جاتے۔ انہیں پتہ ہی نہ چلا کب سوئے اور کب جاگے۔

شاید چڑیا کی چوں چوں ہی تھی جس نے حسن کو آواز دی۔ وہ تیزی سے اٹھا اور کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ اچانک اس کے چہرے پر بھرپور مسکراہٹ کھیل گئی۔ چڑیا کے چھوٹے سے دو بچے گھونسلے کے در پر لگاتار چوں چوں کرتے ہوئے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ حسن نے اِدھر اُدھر دیکھا، پھر گھونسلے پر نظریں جما دیں۔ اس کے پاس کچھ دانے دُنکے ہوتے تو وہ انہیں گھونسلے کے آس پاس جا کر بکھیر دیتا۔

وہ چڑیا کہاں گئی!

اس نے سوچا اور تبھی وہ چڑیا پھدک کر گھونسلے کے در پر آ گئی۔ بچے چوں چوں کرتے رہے اور چڑیا بے نیازی سی گردن گھما گھما کر ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ پھر اس نے بچوں کو اپنی چونچ سے ٹھونکا دیا اور اُڑ گئی۔ شاید بچوں کے لئے دانہ دنکا لینے گئی ہو، دریا میں اپنی زبان تر کر کے واپس آئے گی اور بچوں کے حلق میں نمی پہنچائے گی۔ دھوپ میں تیزی آنے سے پہلے چڑیا واپس آ جائے گی اور دن ڈھلے دوبارہ دانے دنکے چننے نکل جائے گی۔

وہ دیکھتا رہا اور سوچتا رہا۔

وہ سوچتا رہا کہ جن علاقوں میں رات بھر اتنے سارے دھماکے ہوئے ہیں کیا کوئی گھونسلہ محفوظ رہ گیا ہوگا! چوں چوں کرتے چڑیا کے بچوں کو کچھ دانہ دنکا مل گیا ہوگا، کیا چڑیا نے ان کے حلق میں نمی اُتاری ہوگی!

www.taemeernews.com

''آج میں کہیں نہیں جا رہا ہوں۔'' حسن نے علی کو اپنا فیصلہ سنا دیا۔

طاہر اور صدیق چلے گئے، جلدی واپس آنے کے لئے۔

''کرنا ہی کیا ہے۔ ایک چکر لگا کر ہم واپس آتے ہیں۔'' انہوں نے کہا تھا۔

اونگھتے، لیٹتے، جاگتے کافی وقت گزر گیا۔ قہوے کا ایک گھونٹ لے کر حسن نے کہا۔

''علی، آخر ہم کیا کر رہے ہیں!''

''میں یہ نہیں کہوں گا کہ ہم کر بھی کیا سکتے ہیں..... بس ہم کچھ نہیں کر رہے ہیں'' علی نے جواب دیا۔

''اور یہ خندق؟'' حسن نے کہنا چاہا۔

''تم کوئی بو محسوس کر رہے ہو؟'' علی نے کہا۔

حسن اٹھ کھڑا ہوا۔ دن ڈھل رہا تھا۔ دھوپ کی تپش میں خاصی کمی آ گئی تھی۔ وہ دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا۔

اسے ساری فضا میں کڑواہٹ سی محسوس ہوئی۔ نتھنوں میں جلن سی محسوس ہونے لگی۔ وہ دروازہ بند کر کے کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔ طاہر اور صدیق بھی آ گئے تھے۔ انہوں نے عجیب سی خبر سنائی۔ شہر کے چاروں طرف جو خندقیں کھودی گئی تھیں ان میں پٹرول بھر دیا گیا تھا۔ یہ خبر سن کر علی اور حسن کچھ یقین اور کچھ بے یقینی سے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے تھے۔

حسن نے گھونسلے کی طرف نظر ڈالی۔ چڑیا کے دونوں بچے پھر باہر نکل آئے تھے اور لگاتار چوں چوں کر رہے تھے۔ چڑیا بھی پھدک کر باہر نکل آئی۔ بے نیازی سے اِدھر اُدھر دیکھتی رہی اور بچوں کو ٹھونگا دے کر پھر سے اُڑ گئی۔ وہی دانے دنکے کی تلاش میں اور زبان کو تر کرنے..... اس نے سوچا۔

اچانک فضا میں گرمی سی محسوس ہوئی۔ دھوپ تو کب کی ڈھل چکی تھی۔ اس نے علی کی

www.taemeernews.com

طرف پلٹ کر دیکھا۔ اس کے ساتھ طاہر اور صدیق بھی آ کھڑے ہوئے۔ علی بھی پیشانی پر شکنیں ڈالے اس کے قریب کھڑا تھا۔

''تو وہی ہوا!'' صدیق آہستہ سے بولا۔

''کیا وہی ہوا؟'' حسن نے پوچھا۔

''خندقوں میں پٹرول بھر کر آگ لگا دی گئی ہے۔'' طاہر نے پوچھا۔

سب نے فضا میں موجود تپش اور بو کو محسوس کیا۔ تھوڑی ہی دیر میں دھواں اٹھنے لگا۔ دھوئیں کے کالے کالے کثیف بادل۔

سب ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے۔ کوئی بیٹھ جاتا، پھر اٹھ کر کھڑا ہو جاتا۔ علی کمرے میں تیزی سے چہل قدمی کر رہا تھا۔

حسن کو گلے میں کچھ سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔ اس نے گھونسلے پر نظر ڈالی۔ چڑیا کے دونوں بچے لگاتار چوں چوں کر رہے تھے۔ ان کی آواز بہت تیز تھی۔ پھر آواز دھیمی ہونے لگی۔ چڑیا اب تک نہ لوٹی تھی۔

حسن دروازہ کھول کر بیتابی سے باہر نکل گیا۔ ہر طرف جیسے دھوئیں کی گہری دیوار کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ چوں چوں کی معدوم ہوتی ہوئی آواز حسن کو بہت غور کرنے پر کبھی کبھی سنائی دے جاتی۔ اس نے دھوئیں کی کالی کالی دیواروں کو دیکھا ..... چڑیا کس طرح اپنے گھونسلے تک پہنچے گی! اس نے سوچا۔

پھر وہ دھم سے آ کر علی، طاہر اور صدیق پر گر پڑا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

www.taemeernews.com

نامُراد

دیوار پر ٹنگے چھوٹے سے آئینے میں، کبھی آگے بڑھ کر، کبھی پیچھے ہٹ کر اور کبھی دائیں بائیں ترچھے ہو کر جیناں نے اپنے سراپا کو دیکھنے کی کوشش کی تو اسے محسوس ہوا کہ وہ اچانک جوان ہو گئی ہے۔ دراصل یہ احساس اس پر کل سے ہی حاوی ہو رہا تھا۔ اماں نے اسے ایک گھر میں آزادانہ کام پر لگا دیا تھا۔ یعنی اب وہ گھریلو کاموں میں اتنی طاق ہو چکی تھی کہ اماں کے ساتھ نہ ہونے پر بھی آزادانہ طور پر کام کر سکتی تھی۔ اس وقت اس نے صاف ستھرے کپڑے پہن رکھے تھے، بال بھی سنوار لئے تھے، آنکھوں میں کاجل کی لکیر بھی ڈال لی تھی اور پیروں میں چپلیں بھی پڑی تھیں۔ اماں اسے راستے بھر سمجھاتی رہی تھی کہ بی بی جی کے دل میں جگہ بنانے کے لئے کن چیزوں کو خاص طور پر مدنظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ ویسے تو وہ کئی روز سے نصیحتیں کرتی رہی تھی لیکن اس وقت جیناں کو اماں کی کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس کی نظروں کے سامنے تو وہ سب کچھ آتا جا رہا تھا جن سے وہ گزرتی رہی تھی۔ جب چھوٹی تھی تب بھی اماں کے ساتھ گھروں میں

www.taemeernews.com

کام کرنے جایا کرتی تھی۔ لیکن تب وہ اماں کا ہاتھ اتنا ہی بٹا پاتی تھی کہ جب اس سے اماں نے کہا کھول، تو وہ نل کھول دیتی، جب بند کرنے کہتی تو وہ نل بند کر دیتی اور نل پر ہاتھ رکھے اماں کی دوسری ہدایت کا انتظار کرتی رہتی۔ پھر دھلے کپڑے ایک ایک کر کے اٹھاتی اور اماں کو پھیلانے کے لئے دیتی جاتی۔ پھر برتن مانجھنے میں ہاتھ بٹانے لگی، اس کے بعد کپڑوں پر تھاپی مارنے لگی اور اس طرح رفتہ رفتہ اس نے اماں کی محنت کا بہت سارا حصہ اپنے سر لے لیا۔

جیناں کے ہاتھ بٹانے سے اماں کو ایک گھر کا کام آسان معلوم ہونے لگا تو اس نے ایک اور گھر پکڑ لیا۔ اب ایسا لگتا کہ جیناں اماں کا ہاتھ نہیں بٹاتی بلکہ اماں تھوڑی سی اس کی مدد کر دیتی ہے۔ اماں نے پھر تیسرا گھر بھی پکڑ لیا۔ اب دونوں جلدی جلدی ایک گھر کا کام ختم کر کے دوسرے گھر میں اور دوسرے گھر کا کام ختم کر کے تیسرے گھر میں جانے لگیں اور دوپہر تک گھر بھی واپس آ جاتیں جہاں دونکھٹو مرد کھری چارپائی پر اینڈتے ہوئے ان کی راہ دیکھ رہے ہوتے کہ وہ کچھ لے کر آئیں تو پیٹ میں دانے پڑیں۔

جیناں کی اماں کو اس بڑے گھر میں کام کے لئے بلایا گیا تو جیناں بھی اس کے ساتھ تھی۔ بی بی جی کو پورے وقت کے کام کے لئے نوکرانی درکار تھی۔ تنخواہ، کھانا اور کپڑا۔ اس سجے بنے گھر کو دیکھ کر جیناں مچل اٹھی۔ پھر اس نے اماں کو دیکھا کہ وہ اکیلی تین گھروں کا کام کیسے سنبھال پائے گی۔ بی بی جی نے جیناں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''جیناں کی ماں۔ اس لڑکی کو یہاں چھوڑ جاؤ۔ بڑی ماسی اسے سارے کام سمجھا دے گی۔ تم جہاں کام کر رہی ہو وہاں کرتی رہو۔ جیناں یہاں خوش رہے گی۔ ہم اس کا خیال رکھیں گے۔''

جیناں کو بی بی جی پسند آئی تھیں لیکن اس کی اماں نے فوری طور پر حامی نہیں بھری۔ پھر اس نے فیصلہ کیا کہ ایک گھر چھوڑ دے گی۔ دو گھروں کے اوپر کے کام وہ سنبھال لے گی اور جیناں کو بی بی جی کے یہاں پورے وقت کے لئے لگا دے گی۔ پھر یہی ہوا اور جب جیناں کو اس نے

www.taemeernews.com

کام پر جانے کے لئے سمجھانا شروع کیا تو جیناں کو لگا کہ اب وہ بڑی ہوگئی ہے اور اپنا کام خود کر سکتی ہے، اپنے طریقے سے، ذمہ داری کے ساتھ، بی بی جی کے گھر والوں کے مزاج کو سمجھتے ہوئے، ان کی مرضی کے مطابق۔

جیناں محنت تو کر سکتی تھی لیکن اسے بڑے گھروں کے طور طریقے کا علم نہیں تھا۔ اوپر کے کام میں اور سارے دن کے کام کے طریقے میں بھی فرق تھا۔ لیکن اس نے سارے طور طریقے آہستہ آہستہ اپنے دماغ میں بسا لئے۔ مہینے بھر میں بی بی جی بھی محسوس کرنے لگیں جیسے جیناں یہ سب کچھ برسوں سے کرتی آ رہی ہے۔

جیناں کو یہاں کا ماحول بھی بہت پسند آیا۔ صاحب جی دفتر چلے جاتے تو وہ ان کے کمرے کی صفائی کرتی، قالین پر مشین چلاتی، بستر کی شکنیں درست کرتی یا انہیں دھونے کے لئے ڈال آتی۔ چھوٹی موٹی چیزوں کو جھاڑ پونچھ کر اپنی اپنی جگہ پر رکھتی۔ چھوٹی بی بی بھی دیر سے سو کر اٹھتیں اور جب وہ ناشتے کی میز پر آتیں تو وہ کمرے میں صفائی کے لئے پہنچ جاتی۔ عمران میاں کا البتہ کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔ وہ ان کے کمرے میں تب ہی جاتی جب وہ کمرے میں نہ ہوتے۔ لیکن اسے عمران میاں کے عادات بہت پسند تھے۔ گنگناتے رہتے، سیٹی پر کوئی دھن بجا رہے ہوتے، کمرے میں ٹیپ ریکارڈر چلتا رہتا، کانوں پر ہیڈ فون لگا کر گانے بھی سنتے اور اپنی پڑھائی بھی کرتے۔ اس سے کبھی کبھار ایک گلاس پانی مانگ لیتے اور بس۔ کبھی اسے للچائی ہوئی نظروں سے نہ دیکھا۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ عمران میاں سامنے ہوتے اور جیناں کا سینے پر پھیلا ہوا دوپٹہ ڈھلک گیا تو ان کے انداز سے ایسا لگتا جیسے ان کی نظریں کہیں اور تھیں۔ ان کے چہرے پر ایسا کوئی تاثر نہ ہوتا جیسے انہوں نے کچھ دیکھا ہے، محسوس کیا ہے۔

''جیناں، تمہیں معلوم ہے نا کہ اگلے مہینے چھوٹی بی بی کی شادی ہونے والی ہے!'' ایک دن کھانا کھاتے ہوئے بی بی جی نے کہا۔

www.taemeernews.com

''جی بی بی جی۔''

جیناں کافی دیر سے محسوس کر رہی تھی کہ کھانے کی میز پر گھر والے کچھ کھسر پھسر کر رہے ہیں۔اسے یہ بھی محسوس ہوا تھا کہ خود اس کا بھی کچھ تعلق اس کھسر پھسر سے ہے۔وہ کچھ بے چینی سی بھی محسوس کر رہی تھی۔

''شادی بیاہ کے گھر میں کام دھام تو زیادہ ہو ہی جاتے ہیں۔تم سے اگر کہا جائے کہ کچھ دن تم اپنے گھر نہ جاؤ اور یہیں رہ لو تو تمہاری کیا مرضی ہوگی؟'' بی بی جی نے ٹھہر ٹھہر کر ہمیشہ کی طرح دھیمے لہجے میں کہا۔

''بی بی جی.....وہ،اماں.....'' وہ کچھ جھجکی۔

''تمہاری اماں سے تو میں بات کر ہی لوں گی۔ابھی میں تمہاری مرضی پوچھ رہی ہوں۔''

''میری مرضی کیا ہوگی بی بی جی۔'' وہ کچھ ہچکچائی، پھر بولی۔''یہ بھی تو گھر ہی ہے نا بی بی جی۔''

بی بی جی مسکرائیں۔کھانے کی میز پر موجود سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔عمران میاں نے اس کی طرف ایک نظر دیکھا، پھر کھانے میں مشغول ہو گئے۔

''ٹھیک ہے جیناں،اماں کو بھیج دینا،اس سے بھی بات کر لوں گی۔''

جیناں کو خود بھی محسوس ہوا تھا کہ اس نے بڑی ذہانت کی بات کی ہے۔نہ جانے کیوں وہ عمران میاں کا ردعمل دیکھنا چاہتی تھی لیکن ان کی ساری توجہ کھانے کی طرف تھی اور پیر تیزی سے ہل رہے تھے۔

کھانے کے برتن سمیٹ کر وہ کچن میں چلی گئی۔پھر دھلنے والے کپڑے سمیٹ کر پچھواڑے کی طرف چلی گئی جہاں کپڑے دھونے کی مشین بھی تھی جس میں صرف پہننے والے کپڑے دھوئے جاتے تھے۔چادریں اور دوسرے بھاری کپڑے ہاتھ سے ہی دھلتے تھے جس کے لئے پختہ جگہ بنی ہوئی تھی۔پچھواڑے میں خاصی کھلی جگہ تھی۔ایک طرف اسٹور بھی بنا ہوا تھا جس

www.taemeernews.com

میں گھر کی مسترد چیزیں بے ترتیبی سے پڑی ہوئی تھیں۔ چند کرسیاں بھی ایک طرف پڑی ہوئی تھیں جن پر اکثر عمران میاں آ کر براجمان ہو جاتے، پتہ نہیں کیا کیا پڑھتے رہتے تھے لیکن کانوں پر ہیڈفون چڑھا رہتا اور پیر ہل رہے ہوتے تھے۔

''بی بی جی نے تمہیں بلایا ہے اماں۔ کچھ بات کرنی ہے۔'' اس نے گھر پہنچ کر اماں سے کہا۔

اماں نے اسے گھور کر دیکھا۔ ''کیا بات ہے..... کوئی گڑبڑ تو نہیں کی تو نے.....''

جیناں نے بھی اسے گھور کر دیکھا۔ ''تیرا دماغ تو ٹھیک ہے اماں..... میں کیا گڑبڑ کروں گی۔''

''پھر کیا بات ہے؟ کام میں کوئی شکایت ہے؟''

''میں کیا جانوں۔'' وہ آہستہ سے بولی اور اپنی مسکراہٹ کو دبا گئی۔

اماں اب سنبھل کر بیٹھ گئی۔ ''کیا بات ہے، تو بتاتی کیوں نہیں؟''

''اماں تو مجھ سے کیا پوچھ رہی ہے۔ بی بی جی سے پوچھنا کیوں بلایا ہے۔''

اماں نے پھر اسے غور سے دیکھا۔ ''بی بی جی کا لونڈا تو کوئی گڑبڑ نہیں کرتا تجھ سے؟''

''اماں تیرا تو دماغ خراب ہو گیا ہے بالکل۔ وہ تو نظر اٹھا کر دیکھتا تک نہیں۔ اپنے گانے بجانے میں مگن رہتا ہے یا پڑھتا لکھتا رہتا ہے۔''

اماں خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ جیناں کچھ جھنجھلا سی گئی۔

''چھوٹی بی بی کی شادی ہونے والی ہے اگلے مہینے۔ بی بی جی چاہتی ہیں کچھ دن میں وہیں رہ جاؤں۔ بس اتنی سی بات ہے۔ تجھ سے مرضی پوچھنا چاہتی ہیں۔''

''تو کیا چاہتی ہے؟'' اماں نے پوچھا۔

''میں کچھ نہیں چاہتی۔ تو بات کر لینا۔ جی چاہے تو منع کر دینا۔''

اماں کچھ نہ بولی۔ کچھ دیر بعد جیناں نے کہا۔

''مگر سوچ لینا۔ انہیں دن رات کے لئے کوئی نوکرانی چاہئے۔ شادی بیاہ کا گھر ہے۔ میں نہیں

www.taemeernews.com

کروں گی کوئی اور آ جائے گی۔''

اماں کچھ نہ بولی۔لیکن اگلے دن اپنے کام سے واپسی پر بی بی جی کے یہاں چلی گئی۔

بی بی جی نے فوراً کچھ نہیں کہا۔

''کھانا کھا کر جانا جیناں کی ماں۔ بلکہ جیناں کے ساتھ ہی کھالینا۔''

''آپ نے بلایا تھا بی بی جی۔''اس نے خود ہی پوچھ لیا۔

''ہاں جیناں کی ماں۔ جیناں نے تو بتایا ہی ہوگا کہ اگلے مہینے چھوٹی بی بی کی شادی ہے۔ میں چاہتی ہوں جیناں کچھ دن یہیں رہ جائے۔تم اسے یہاں چھوڑ سکتی ہو کچھ دنوں کے لئے؟''

''سارا دن تو رہتی ہے بی بی جی آپ کے گھر۔رات میں بھی رہ لے گی تو کیا ہوا۔''

''ٹھیک ہے جیناں کی ماں۔تم بھی آتی جاتی رہنا۔''بی بی جی نے کہا۔

جیناں بھی ماں کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔

''لے تیرے لئے نئے جوڑے کا بندوبست ہوگیا۔ بیاہ میں جوڑا تو ملے گا نا!''جیناں کی ماں نے جیناں کے کان میں آہستہ سے کہا۔

جیناں نے بی بی جی کی طرف دیکھا لیکن وہ مصروف تھیں۔ جیناں کو ماں کی بات بالکل پسند نہیں آئی۔ چند دنوں بعد جیناں اس گھر میں مستقل رہنے لگی۔ کچھ دنوں بعد قریبی عزیز رشتے داروں کی آمد بھی شروع ہوگئی۔چھوٹی بی بی شاپنگ کے لئے جاتیں تو جیناں کو بھی اپنے ساتھ لے جاتیں۔پہلی بار وہ موٹر کار میں بیٹھی تو کچھ حواس باختہ سی ہوگئی۔پھر تو روز کا معمول ہوگیا۔چھوٹی بی بی کے ایک دو بار کے پہنے ہوئے کپڑے اسی کے حصے میں آئے۔عمران میاں کی دوسری مصروفیات تھیں۔ پڑھنے لکھنے کا معاملہ تو ٹھپ ہوگیا لیکن گانے بجانے میں زیادتی ہوگئی۔وہ اپنے رشتہ دار لڑکے لڑکیوں کو لے کر اوپر والے ہال میں رات رات بھر گاتے بجاتے رہتے۔ جیناں کو کبھی یہ سب اچھا لگتا اور کبھی بہت برا۔ برا اس وقت لگتا جب عمران میاں اپنی کسی رشتہ دار کے

www.taemeernews.com

ساتھ تقریباً چمٹے ہوئے نظر آتے، ان کے ساتھ ناچتے یا اچھل کود کرتے یا دوگانے گاتے۔ ایک دن پچھواڑے میں کپڑے دھو رہی تھی تو عمران میاں اپنے ساتھ والی کرسی پر اپنی ایک رشتہ دار کے کان میں کچھ کہتے، پھر قہقہے لگاتے۔ رشتہ دار کبھی مسکراتی، کبھی شرماتی۔ جیناں کو معلوم تھا یہ لالہ رخ بی بی ہیں۔ چھوٹی بی بی کی بچپن کی سہیلی بھی ہیں اور رشتہ دار بھی۔ اس کی موجودگی کو دونوں نے کوئی اہمیت ہی نہیں دی۔

مایوں والے روز بھی خوب دھما چوکڑی رہی۔ اوپر ہال میں رات بھر ناچ گانا ہوتا رہا۔ اپنے کاموں سے فارغ ہو کر وہ بھی اوپر بچوں میں گھس کر بیٹھ گئی۔ آدھی رات گئے اس پر نیند کا غلبہ طاری ہونے لگا۔ یوں بھی ان دنوں اس پر تھکن زیادہ ہی سوار رہتی تھی۔ اس نے دیوار سے ٹیک لگا لیا۔ پھر ایک کشن بھی ہاتھ آ گیا تو اس نے ٹانگیں پھیلا لیں۔ کئی بچے آڑے ترچھے لیٹے ہوئے تھے۔ اس نے ذرا سی جگہ بنائی اور پسر گئی۔ اسے کچھ پتہ نہیں چلا کہ دھما چوکڑی کب ختم ہوئی، کب روشنیاں گل کر دی گئیں اور وہ خود کتنی دیر تک سوتی رہی۔ اس کی آنکھ کھلی تو ابھی صبح نہیں ہوئی تھی۔ اسے اپنے قریب کچھ آہٹ سی محسوس ہوئی تھی۔ وہ دم سادھے پڑی رہی۔ پھر اسے اپنے قریب کوئی حرکت سی بھی محسوس ہوئی، کچھ خوشبو کا بھبکا سا لگا۔ اسے یہ خوشبو کچھ جانی پہچانی سی لگی۔ چھوٹی بی بی کی کوئی رشتہ دار..... سہیلی..... پھر کچھ پھسپھساہٹ سی ہوئی، ایک مردانہ آواز.....اس نے پہچان لینے میں کوئی غلطی نہیں کی۔

اس نے ذرا سا گردن اٹھا کر دیکھنے کی کوشش کی۔ اچانک جیسے سناٹا گہرا ہو گیا۔ کوئی لڑھکتا ہوا کچھ دور چلا گیا۔ اس کے ساتھ سوئی ہوئی لڑکی گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ جیناں خود بھی دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگی مگر نیند نہیں آئی۔ اس پر عجیب سی کیفیت طاری ہونے لگی۔ یہ وہی لالہ رخ بی بی ہوگی یا کوئی اور..... عمران میاں کی تو دوستی ہی لڑکیوں سے رہتی ہے۔ کبھی پچھواڑے میں کرسی سے کرسی ملائے بیٹھے ہیں۔ کبھی اپنے کمرے میں البم دکھا رہے ہیں یا

www.taemeernews.com

کمپیوٹر کے سامنے سر جوڑے بیٹھے ہیں یا ٹی وی پر فلمیں دیکھ رہے ہیں۔

جب کھڑکی کے راستے دھوپ چھن چھن کر اندر آنے لگی تو وہ اٹھ گئی۔ کسی کے ناشتے کھانے کا وقت تو ان دنوں مقرر تھا ہی نہیں۔ جو بھی کھانے کی میز پر آجاتا اس کے لئے وقت کی مناسبت سے ناشتہ یا کھانا لگا دیا جاتا۔ عمران میاں میز پر آئے تو جیناں نے گرم چائے لا کر رکھ دی۔ پلیٹ اپنی طرف سرکاتے ہوئے انہوں نے جیناں کو ایک نظر دیکھا، ہلکی سی مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر آئی اور پھر پیر ہلنے لگے، جیسے وہ کہہ رہے ہوں تو نے دیکھ لیا تو کیا ہوا، یہ تیرے سمجھنے کی باتیں نہیں ہیں، تو کیا سمجھے گی ان باتوں کو..... عمران میاں نے بس ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈالی تھی لیکن جیناں نے اس کے بہت سارے معنی پہنا ڈالے۔ اسے اندر ہی اندر غصہ بھی آیا اور کچھ رونا سا بھی آنے لگا۔ یہ عمران میاں..... کبھی لالہ رخ، کبھی روشی، کبھی شہلا..... اور..... جلدی سے وہ کچن کی طرف چلی گئی۔ اسے لگا کہ وہ ابھی چیخ اٹھے گی یا دھاڑیں مار کر رونے لگے گی۔

بی بی جی، چھوٹی بی بی اور اس کی ایک سہیلی کو لے کر بازار چلی گئیں۔ دوپہر کے کھانے کے بعد کچھ لوگ، کمرے میں چلے گئے۔ جیناں ماسی کے پاس ٹانگیں پسارے بیٹھی رہی۔

''کیا بہت تھک گئی ہے جیناں؟'' ماسی نے پوچھا۔

اس نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر کہیں دور دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ''ہاں ماسی۔''

''تو جا تھوڑی دیر آرام کر لے۔ ابھی کوئی کام بھی نہیں ہے۔''

جیناں کچھ نہیں بولی۔ اس پر سستی سی طاری تھی۔ پھر وہ اٹھی، دھلنے والے کپڑوں کو سمیٹا اور پچھواڑے کی طرف چل دی۔

چھوٹے کپڑے اس نے ایک طرف رکھے اور چادریں اور دوسرے بھاری کپڑے نل کے نیچے ڈال کر نل کھول دیا۔ اس نے مڑے بغیر ذرا سا سر گھما کر اسٹور روم کی طرف دیکھا۔ اسٹور کے باہر دو کرسیاں ملا کر عمران میاں اور شہلا بی بی بیٹھے تھے۔ جیناں کو محسوس ہوا کہ ان دونوں نے

www.taemeernews.com

اس کے وہاں آ جانے کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔

جیناں نے چادریں پھیلا کر خوب اچھی طرح بھگو دیئے، پھر صابن رگڑنے لگی۔ کپڑوں کو کچھ اس زاویئے سے پھیلا دیئے کہ کبھی کبھی نظریں اٹھا کر انہیں بھی دیکھ لے۔ کرسیوں کے درمیان فاصلہ بڑھا دیا گیا تھا لیکن اب عمران میاں کے دونوں پیر شہلا بی بی کی گود میں تھے۔

جیناں نے تھاپی اٹھائی اور پھیلے ہوئے کپڑوں کو سمیٹ کر تھاپی چلانا شروع کر دی۔ زور زور سے وہ تھاپی چلاتی رہی، نل سے پانی مسلسل بہہ رہا تھا اور تھاپی چلانے سے خود وہ پوری طرح بھیگ چکی تھی۔ دوپٹہ اس نے ایک طرف ڈال دیا تھا اور قمیض اور شلوار اس کے بدن سے پوری طرح چپک گئے تھے۔

اس نے تھاپی رکھ کر کپڑوں کو پھر پھیلایا۔ عمران میاں کے پاؤں شہلا بی بی کی گود میں ادھر اُدھر بھٹک رہے تھے۔ جیناں نے پھر تھاپی اٹھالی۔ پانی کے چھینٹے اور پسینے نے اسے اندر باہر ہر طرف سے شرابور کر دیا۔ ان دونوں میں سے کوئی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک بار تن کر کھڑی ہوئی۔ تھاپی کو زور سے کپڑوں پر دے مارا اور دوپٹہ ہاتھ میں لے کر اندر چلی گئی۔ ماسی نے اسے اس حال میں دیکھ کر کچھ پوچھنا چاہا لیکن بس آنکھیں پھاڑے دیکھتی رہ گئی۔ جیناں نے اپنی چپلیں پیروں میں ڈالیں اور باہر کی طرف تیزی سے چل دی۔

اس کے گھر کا فاصلہ کچھ زیادہ نہیں تھا۔ تیزی سے چلتی ہوئی اس نے فاصلہ طے کیا اور دھم دھم کرتی ہوئی جھٹکے سے دروازہ کھول کر اماں کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''اماں، میں وہاں کام نہیں کروں گی۔''

اماں اسے کچھ دیر دیکھتی رہی، پھر بولی۔ ''کیوں؟ کیا ہوا۔ کسی نے کچھ.....''

''اماں کیا رکھا ہے لالہ رخ بی بی میں..... کیا ہے اس روشی بی بی میں، کیا ٹٹولتا رہتا ہے وہ شہلا بی بی

www.taemeernews.com

کے بدن میں..... کیا رکھا ہے ان سوکھی سپاٹ بیبیوں میں..... میری طرف ایک بار بھی پوری طرح نظر اٹھا کر نہیں دیکھا اس نے، کبھی نہیں، ایک بار بھی نہیں..... میں اس گھر میں اب تھوکنے بھی نہیں جاؤں گی اماں، آخر ہماری بھی کوئی عزت ہے کہ نہیں..... میں اور بے عزتی برداشت نہیں کر سکتی اماں، بس اب اور نہیں۔''

جیناں کے جسم پر بھیگے ہوئے شکن آلود کپڑے خشک ہو کر چپک گئے تھے۔ اماں اس کے تمتمائے ہوئے چہرے سے نظریں ہٹا کر اس راستے کو گھور رہی تھی جس سے جیناں دھم دھم کرتی گزری تھی اور اس دروازے کو دیکھ رہی تھی جس کو جیناں نے ایک جھٹکے سے کھولا تھا۔

www.taemeernews.com

اچھے پیر کا مزار

جو مر گیا سو مر گیا، وہ کسی کو کچھ نہیں دے سکتا!

اس کی عمر ایسی نہیں تھی کہ اچھے پیر کے لئے اس کے دماغ میں ایسی باتیں آئیں۔ پیر صاحب کی کرامات کے قصے تو دور دور تک مشہور تھے لیکن اس کے دماغ میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ مرنے والے کا تعلق اس دنیا سے ختم ہوا اور اس کی دوسری زندگی کا آغاز جنت میں ہو یا جہنم میں، اس دنیا سے اس کا کوئی سروکار نہیں..... مرنے والے نے خواہ کتنی ہی پرہیزگاری کی زندگی گزاری ہو اور اس سے خواہ کتنے ہی معجزے منسوب ہوں، مرنے کے بعد وہ کسی کے لئے کچھ نہیں کر سکتا، نہ وہ کسی کو کچھ دے سکتا ہے نہ لے سکتا ہے..... بابا اس کی اس طرح کی اوٹ پٹانگ باتیں سنتا تو اس کی اچھی طرح ٹھکائی کر دیتا اور پھر اپنے سامنے بٹھا کر اسے سمجھانے کی کوشش کرتا۔

''دیکھ بیٹا، ہم تو اچھے پیر کے مزار کے مجاور ہیں، مجاوری ہمارا پیشہ ہے، ان کی بدولت ہمیں روزی روٹی میسر ہے..... تجھے عقیدت نہ سہی، ایسی کفر کی باتیں تو مت کیا کر..... کہیں اچھے پیر کو جلال آ گیا تو قہر ٹوٹ پڑے گا تجھ پر..... اور ہم سبھوں پر بھی.....''

بابا کی باتوں کا اس پر کوئی اثر نہ ہوتا۔ وہ خاموشی سے مار کھا لیتا اور سر جھکا کر اس کی باتیں بھی سن لیتا مگر جب گھر سے باہر نکلتا اور کوئی اچھے پیر کی کرامات کے قصے سناتا تو وہ ہنسنے لگ جاتا اور وہی بات کہ جو مر گیا سو مر گیا..... کبھی گلی ڈنڈا کھیلتے ہوئے گلی مزار سے جا ٹکراتی تو اس کا

www.taemeernews.com

کوئی ساتھی اس جگہ کو ہتھیلی سے صاف کرتا اور پھر چوم کر پیشانی لگاتا.....اسے ہنسی آجاتی۔

''ابے کیا مزار سے گھونسا نکل آئے گا کہ معافیاں مانگ رہا ہے.....!''

اس کے ساتھی ناراض ہو جاتے۔''ابے یار، اچھے پیر کو کچھ نہ کہا کر۔''

''میں اچھے پیر کو کچھ نہیں کہہ رہا ہوں۔ میں تو تجھے کہہ رہا ہوں۔ بزدل، ڈرپوک۔''

''تجھ سے تو اچھے پیر خود ہی سمجھ لیں گے۔''

''مجھ سے.....! اچھے پیر مجھ سے کیا سمجھ لیں گے.....لے میں اچھے پیر کو خود ہی سمجھا دیتا ہوں۔''

اور اس نے مزار پر چڑھ کر اپنا جانگیہ نیچے سرکایا اور مزار کو تر بتر کر دیا۔ اس کے ساتھی حیرت سے اسے دیکھتے رہے اور پھر خوفزدہ ہو کر گاؤں کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ کئی روز تک اس کے ساتھی اس سے ناراض رہے۔ کسی کو جاڑا دے کر بخار چڑھ گیا اور کوئی نیند میں ڈر کر چیخنے لگ جاتا۔ کسی کو خواب میں اچھے پیر نے اس کے ساتھ کھیلنے سے منع کر دیا اور کسی کے سر پر مسکرا کر ہاتھ پھیر دیا۔

خود اسے بھی اپنی اس حرکت پر بے حد ندامت ہوئی۔ ٹھیک ہے، عقیدت نہ سہی لیکن اس طرح مزار کی بے حرمتی تو نہیں کرنی چاہئے تھی۔ اس نے سوچا اور پھر گھر سے بالٹی میں پانی لا کر مزار کو خوب دھویا اور اپنے آپ سے باتیں کرتا رہا۔

''اچھے پیر کی تو ہڈیاں بھی گل چکی ہوں گی۔ انہوں نے زندگی میں اچھے کام کئے ہوں گے تو اس وقت جنت کے مزے لوٹ رہے ہوں گے۔ انہیں اتنی فرصت کہاں ہوگی کہ یہ دیکھیں کس نے ان کے مزار کو ناپاک کیا۔'' اس نے خود کو اطمینان دلایا اور پھر خود بھی نہانے چلا گیا۔

بابا نے اسے مزار کو غسل دیتے ہوئے دیکھا تو اسے بڑی حیرت ہوئی اور کسی قدر خوشی بھی۔ وہ مزار کے قریب گیا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر پیر صاحب سے گویا ہوا۔

''یا اچھے پیر آخر آپ نے اپنی محبت اس کے دل میں ڈال ہی دی۔ اس کی خدمت قبول کیجئے اچھے

www.taemeernews.com

پیر، اس کے دل میں اپنے لئے عقیدت پیدا کر دیجئے۔''

اس کے ساتھی بہت دنوں تک اس سے ناراض نہ رہ سکے۔ صرف یہی نہیں تھا کہ وہ ملحدانہ باتیں کیا کرتا، اس کی دوسری اوصاف اسے مقبول بنائے رکھتیں۔ گاؤں کے مدرسے میں وہ مولوی صاحب کا سب سے عزیز شاگرد تھا کیونکہ اپنا سبق فوراً یاد کر کے وہ دوسرے بچوں کو سبق یاد کرایا کرتا اور مولوی صاحب چلم گڑگڑاتے یا اونگھتے رہتے۔ اس نے کئی سیپارے خود ہی حفظ کر لئے تھے اور اتنے لحن سے تلاوت کرتا کہ مولوی صاحب تو کیا گاؤں کا چودھری بھی کبھی کبھی اسے بلوا کر اس کی قرأت سنتا اور انعام دیتا۔ پھر کھیلنے میں بھی وہ سب کا استاد تھا، گلی ڈنڈا ہو یا کبڈی یا کنچے، کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ مزار کو ناپاک کرنے والی حرکت کو اس کے ساتھی جلد ہی بھول گئے اور دوبارہ اسے اپنی ٹیم میں شامل کر لیا۔

اس کا گھر گاؤں سے کچھ فاصلے پر تھا اور مزار کے قریب بھی۔ مزار دو اطراف سے برگد کے گھنے درختوں کے درمیان گھرا ہوا تھا۔ قریب میں تھوڑا اونچا سا ایک چٹیل میدان تھا جہاں لڑکے کبڈی اور گلی ڈنڈا کھیلا کرتے۔ مزار کی مجاوری کے سبب اس کے گھر کو بھی ایک اہمیت اور توقیر حاصل تھی۔ اس کے گھر کی عورتیں گھروں یا کھیتوں میں کام نہیں کرتی تھیں لیکن خاص خاص موقعوں پر تقریبات میں اس کی اماں اور بہنیں، گھروں میں کچھ مخصوص کھانے بنانے کے لئے بلوائی جاتیں اور کئی کئی روز تک ان کا قیام وہیں رہتا، باپ بیٹے کے لئے کھانا وہیں سے آجاتا۔ ویسے بھی گاؤں میں کسی کے گھر کوئی خاص چیز پکتی تو ان کے گھر ضرور بھیج دیا جاتا۔ مزار کے نزدیک ہی تھوڑی سی زمین چودھری نے انہیں دے رکھی تھی جس میں وہ سبزیاں اگا لیتے تھے۔

ہر سال عرس بڑے دھوم دھام سے منایا جاتا، خیمے لگتے، چھولداریاں نصب ہوتیں، حلوائی کی دکانیں کھل جاتیں، چائے خانے کھلتے اور رات رات بھر قوالیاں ہوتیں۔ اتنی چادریں چڑھائی جاتیں کہ سال بھر تک اس کے گھر والے نئے نئے کپڑے پہنتے پھر بھی کمی نہ پڑتی۔ لیکن

www.taemeernews.com

اسے مزار کی چڑھائی ہوئی چادر کے سلے ہوئے کپڑے بالکل پسند نہیں تھے۔ وہ کہتا۔

''بابا مجھے ان سے کافور کی بو آتی ہے۔ لگتا ہے میں کفن پہن رہا ہوں۔''

بابا کانپ جاتا..... ایک ہی تو بیٹا تھا، پھر بھی وہ سمجھانے کی کوشش کرتا۔ ''بیٹا یہ تو تبرک ہے..... برکت ہے اس کو پہننے میں..... یوں سمجھ لے تو اچھے پیر کے سایۂ عاطفت میں ہے۔''

''بابا رہنے دو، تم اپنے اچھے پیر کو مجھ سے کچھ سنوانا چاہتے ہو کیا!''

بابا کا ہاتھ اس پر اٹھ جاتا اور وہ گڑگڑا کر اچھے پیر سے معافیاں مانگنے لگ جاتا۔

عرس کا میلہ تین روز تک جاری رہتا۔ اب اس نے خود چائے بسکٹ کی دکان لگانی شروع کر دی تھی اور ان تین دنوں میں اس کی اتنی کمائی ہو جاتی کہ سال بھر کے لئے اپنی کپڑے وہ خود بنوا سکتا تھا۔ مزار پر چڑھائی جانے والی چادروں کو ہاتھ بھی نہ لگاتا البتہ اس کے گھر کی عورتیں اسے رنگواتیں اور چھپائی کر کے سال بھر پہنتیں۔

عرس کے تین دن کی کمائی سے اپنے لئے وہ کپڑے تو بنوا لیتا لیکن اس کی اور بھی ضرورتیں تھیں اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ مزار کی کمائی سے اپنی ضرورتیں پوری کرے۔ بابا کے ساتھ وہ زمین پر کام کرتا اور سبزیاں بازار میں جا کر بیچ آتا۔ چودھری سے اس نے اپنے لئے کسی کام کے لئے بات کی تو چودھری ہنس دیا۔

''تجھے کام کی کیا ضرورت ہے! کیا مزار کی مجاوری کافی نہیں؟ اپنے بابا کی طرح اچھے پیر کی خدمت کر، انہوں نے تو تیرا انتظام کر ہی دیا ہے۔''

اسے وہ رات کو بلاتے اور قرأت سنا کرتے۔ اب وہ چودھری سے انعام بھی نہیں لیتا تھا، کہا کرتا۔

''نہیں چودھری، قرآن پڑھنے کا کوئی معاوضہ نہیں ہوتا، یہ تو اپنے لئے ہوتا ہے۔''

''میں نے تو سنا تھا تو ان سب چیزوں کو نہیں مانتا!'' چودھری کہتا۔

www.taemeernews.com

''کیوں نہیں مانتا چودھری، میں کوئی کافر ہوں کیا!''

''میں تجھ سے کوئی کام نہیں لے سکتا۔ تیرا خاندان تو اچھے پیر کا خدمت گار ہے، میں کوئی خدمت کیسے لے سکتا ہوں.....اگر کوئی ضرورت ہو تو بتا دے۔''

لیکن وہ کوئی کام کئے بغیر کچھ لینے پر رضامند نہیں تھا۔

اس کے گاؤں کے کچھ لوگ شہر چلے گئے تھے اور پیسے کما کر اپنے گھر والوں کو بھیج رہے تھے۔اس کا بھی جی چاہا کہ شہر میں پیسے کمائے اور اپنے گھر والوں کو مزار سے ہونے والی آمدنی سے بیگانہ کر دے۔ بابا اس پر راضی نہیں تھا لیکن ایک دن وہ بابا کو بتائے بغیر شہر چلا گیا۔ کچھ دنوں بعد بابا کو اس کا خط ملا کہ وہ شہر میں ہے اور نوکری تلاش کر رہا ہے۔ وہ اپنے گاؤں کے ایک ساتھی کے ساتھ مقیم تھا۔

مدرسے کی تعلیم ملازمت کے حصول کے لئے کافی نہیں تھی۔ کوئی ڈھنگ کی نوکری اسے نہ ملی تو وہ پریشان رہنے لگا۔ ایک روز رات کو اپنے ساتھی کے اصرار پر اس نے خوش الحانی سے قرأت کی تو آس پاس سے اور لوگ بھی آ گئے اور اس سے فرمائشیں کر کے سننے لگے۔ اس میں محلّہ کمیٹی کے بھی کچھ لوگ تھے۔ انہوں نے اسے موذن کی ملازمت کی پیشکش کی جو اپنی پریشانی کے مدنظر اسے قبول کرنی پڑی۔

وہ پانچوں وقت خوش الحانی سے اذان دیتا، کبھی کبھی کسی گھر سے اس کے لئے کھانا بھی آنے لگا۔ دو چار گھروں سے قرآن پڑھانے کے لئے بھی اسے بلایا جانے لگا، مسجد سے اس کی تنخواہ بھی بندھ گئی لیکن ایک عجیب سا بوجھ اس کے دل پر تھا۔ کئی مہینوں تک وہ سینے پر پتھر رکھے یہ سب کچھ کرتا رہا لیکن ذہنی طور پر وہ خود کو مفلوج سا محسوس کرنے لگا۔ اس نے دوسری ملازمت کے لئے پھر تگ و دو شروع کی لیکن اس کی تعلیمی استعداد ہی کتنی تھی۔ اس کے کچھ ساتھی رکشا چلاتے تھے۔ ان سے اس نے رکشا چلانا سیکھنے کی کوشش کی تو سب نے جھڑک دیا۔

www.taemeernews.com

''ابے کیا عزت کی روٹی تجھے راس نہیں آتی.....ہم سے تو زیادہ ہی کما رہا ہے، عزت بھی ہے، کھانا کپڑا بھی مل جاتا ہے، اتنے لوگ تجھے سلام کرتے ہیں، ہاتھ ملاتے ہیں، اپنے ساتھ بٹھاتے ہیں اب اور کیا چاہئے۔''

اپنے ساتھیوں سے مایوس ہو کر اس نے دوسری طرف توجہ کی۔ دکان دکان مارا پھرا۔ کئی دکانداروں نے اسے صبح دکان کھلنے کے وقت آ کر قرآن کی تلاوت پر مامور کیا۔ وہ عجیب صورت حال سے دوچار تھا۔ اسے لگا کہ وہ دلدل میں دھنستا جا رہا ہے۔ جتنا نکلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے اتنا ہی نیچے.....اور نیچے دھنستا جا رہا ہے۔

بابا سے اس کی خط و کتابت جاری تھی۔ اس نے اپنے بارے میں بس اتنا ہی بتایا تھا کہ وہ ملازمت کر رہا ہے اور پیسے کما رہا ہے۔ ہر مہینے وہ اچھی خاصی رقم پس انداز کر کے بابا کو بھیج دیا کرتا۔ کوئی دوست گاؤں جا رہا ہوتا تو بہنوں اور ماں باپ کے لئے کچھ چیزیں بھی خرید کر بھیج دیتا۔ بابا کا دعاؤں بھرا خط آتا، بہنوں کی فرمائشیں آتیں لیکن بابا یہ بھی ضرور لکھتا کہ اگر کوئی تکلیف ہے تو واپس آ جائے، وہاں بھی کس چیز کی کمی ہے، اچھے پیر کی بدولت سب کچھ میسر ہے۔

وہ گھنٹوں کھلے آسمان کو تکتا رہتا۔ سب کچھ تو وہی تھا۔ وہی سارے کام بابا والے..... سوئم اور چہلم وغیرہ کے فاتحے کے لئے تو اسے اس طرح بلایا جاتا جیسے یہ سب کچھ اس کے فرائض میں داخل ہو۔ یہاں تو وہ ماحول بھی میسر نہیں تھا جہاں وہ کہہ سکتا کہ جو مر گیا، سو مر گیا، اب وہ کسی کے کام نہیں آ سکتا، وہ کسی کو کچھ نہیں دے سکتا۔ لیکن وہ دل ہی دل میں یہ دہراتا ضرور تھا کہ جو مر گیا سو مر گیا، وہ جنت میں جائے یا جہنم میں، اس دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہا۔

اب وہ خود کو بہت کمزور محسوس کرنے لگا تھا، جیسے وہ اندر سے کھوکھلا ہوتا جا رہا ہو، جیسے اس کی طاقت زائل ہوتی جا رہی ہو۔ ایک سستی سی طاری رہنے لگی تھی، بچوں کو پڑھاتے ہوئے

www.taemeernews.com

جماہیاں لیتا اور اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرتا رہتا۔ دکانوں میں تلاوت کرنے جاتا اور تھکاوٹ محسوس کرتے ہوئے کافی دیر ان ہی لوگوں کے پاس بیٹھا رہ جاتا۔ چائے خانے میں بیٹھ جاتا اور چائے خانے والے کی طرف سے عقیدتاً مفت پیش کی گئی چائے آہستہ آہستہ پیتے ہوئے خالی خالی نظروں سے راہگیروں کو تکتا رہتا۔ اب کوئی نئی بات اس کے ذہن میں نہ آتی، کسی نئے کام کی تلاش کا خیال بھی دل میں نہ آتا، چلنے پھرنے میں بھی اسے کاہلی محسوس ہونے لگی تھی۔

کچھ دنوں سے بابا کے ہر خط میں اصرار سے پوچھا جانے لگا تھا کہ آخر وہ کرتا کیا ہے۔ اس نے کون سا پیشہ اختیار کر رکھا ہے۔ کس قسم کا کام ہے، لیکن ان باتوں کا وہ کوئی جواب نہ دیتا۔ بابا نے اپنا اصرار جاری رکھا اور ایک بار یہ بھی پوچھا کہ اس کے دوست سے اس کے کام کے متعلق جو کچھ معلوم ہوا کیا وہ صحیح ہے!

اس کے اندر ایک ہیجان سا برپا ہو گیا۔ وہ بابا سے جو کچھ چھپاتا رہا لگتا ہے اسے معلوم ہو گیا تھا۔ یہاں سے گاؤں جانے والے اس کے کسی دوست نے شاید سب کچھ بتا دیا تھا۔ اسے بری طرح اپنی شکست کا احساس ہوا، جیسے وہ بالکل ٹوٹ پھوٹ گیا ہو، کسی نے اسے بہت ضربیں لگائی ہوں۔ بچپن میں جب اس کی اوٹ پٹانگ باتوں پر بابا اس کی ٹھکائی کرتا تو اسے قطعی تکلیف نہ ہوتی بلکہ وہ خود کو فتح مند قرار دیتا۔ بابا کے اس خط سے اسے ایسا لگا جیسے بیچ چوراہے پر اسے ننگا کر دیا گیا ہے۔ وہ بلبلا اٹھا۔ کئی روز تک وہ بے چین بے چین سا پھرتا رہا۔ نہ بچوں کو پڑھانے گیا اور نہ دکانوں میں تلاوت کی۔

گاؤں سے واپس آنے والے ایک دوست سے اپنے بابا کی بیماری کی اطلاع ملی تو وہ اور بھی بے چین ہو گیا۔ اس نے سوچا بابا کو شہر لا کر اس کا علاج کرایا جائے۔ اس نے بابا کو اس بارے میں خط لکھا اور دوبارہ اپنے کام میں جت گیا تاکہ زیادہ سے زیادہ رقم اکٹھی کر سکے۔ کچھ دنوں تک جواب کا انتظار کر کے پھر ایک خط لکھا۔ جواب میں تاخیر ہوئی تو اس کی بے چینی بڑھنے

www.taemeernews.com

لگی، وہ پریشان رہنے لگا۔ اس کے دوست اسے جتنا تسلی دینے کی کوشش کرتے اس کی پریشانی بڑھتی جاتی اور ایک دن اس نے گاؤں جانے کا فیصلہ کرلیا۔

بابا بستر سے لگ چکا تھا۔ اس کی ساری حاجتیں بستر پر ہی پوری ہوتیں۔ گاؤں والے جو کچھ کرسکتے تھے، کرتے رہے۔ گھر کی ضرورتیں پوری ہورہی تھیں۔ دور دراز سے کوئی اچھے پیر کے مزار کی زیارت کرنے آتا تو بابا کو اٹھا کر مزار تک لے جایا جاتا اور فاتحے کے بعد اسے نذرانہ دے کر گھر پہنچا دیا جاتا..... وہ یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ اس حالت میں بابا کو چھوڑ کر وہ شہر بھی نہیں جاسکتا تھا۔ بابا کی حالت دن بدن خراب ہی ہوتی رہی۔ زمین پر لگی ہوئی سبزیاں سوکھ رہی تھیں۔ وہ برآمدے میں چارپائی پر کاہلی سے پڑا ہوا سب کچھ دیکھتا رہتا..... کھونٹی پر ٹنگی ہوئی بابا کی ٹوپی کو دیکھتا، چارخانے والے رومال کو دیکھتا، پھر مزار کی طرف نظر جاتی اور پھر وہ کروٹ بدل کر سونے کی کوشش کرنے لگ جاتا..... گھر کے اندر جا کر کبھی کبھی بابا کے پائینتی بیٹھ جاتا جن کی آنکھیں اسے بہت کچھ کہتی نظر آتیں اور وہ سر جھکائے بیٹھا رہتا۔

اس روز بھی حسب معمول وہ برآمدے میں چارپائی پر لیٹا ہوا کبھی بابا کی ٹوپی کو دیکھتا، کبھی چارخانے والے رومال کو اور کبھی مزار کی طرف نظر جاتی..... ابھی وہ کروٹ بدل کر سونے کی کوشش ہی کررہا تھا کہ دور سے اسے دھول اڑتی نظر آئی۔ اس کی نظریں ادھر ہی جمی رہیں۔ دھول سے ایک تانگہ برآمد ہوا، اس کا رخ مزار ہی کی طرف تھا۔ مزار کے پاس آکر تانگہ ٹھہر گیا اور چند عورتیں اور دو مرد اس سے اتر کر مزار کی طرف بڑھے۔ مزار سے کچھ فاصلے پر انہوں نے اپنے جوتے اتار دیئے اور پھر مزار کے پاس پہنچ کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

اچانک اسے اپنے جسم میں کچھ طاقت سی محسوس ہوئی۔ وہ تیزی سے اٹھا۔ بابا کی ٹوپی کھونٹی سے اٹھا کر اپنے سر پر جمائی اور چارخانے والا رومال کندھے پر ڈال کر مزار کی طرف بڑھ گیا۔

✿✿

www.taemeernews.com

تجدید

کافی دیر کے بعد دونوں جیسے گہری نیند سے بیدار ہوئے۔ نعیم کی سانسیں درست ہوئیں تو اس نے ڈرے ڈرے سے انداز میں سارہ کی طرف دیکھا اور پھر کئی لمبی لمبی سانسیں لیں۔ سارہ بار بار گھٹنوں میں دیئے اپنے سر کو اٹھاتی، بالوں کو اوپر سمیٹتی اور پھر گھٹنوں میں سر دے دیتی۔ اتنی دیر کی خاموشی اب دونوں کو بری طرح کھلنے لگی تھی۔ لیکن الفاظ جیسے حلق میں اٹک رہے تھے، کوئی آواز باہر نہیں نکل پا رہی تھی۔ سارہ نے ہی جھلا کر خاموشی توڑی۔

''تم بہت بدتمیز ہو۔''

نعیم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ اس کی نظریں پھر بھی زمین میں ہی گڑی رہیں۔

''تم بدتمیز ہو..... بہت بدتمیز۔''

نعیم نے پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ ہلکے سے پھر اس کا سر ہلا۔

وہ اتنی دیر بعد بھی خود کو یکجا نہیں کر سکا تھا۔ وہ سمجھ ہی نہیں پایا تھا کہ ڈال پتے اور گڈے گڑیوں کا کھیل کھیلتے ہوئے اور رنگ برنگے چھوٹے بڑے کنچے جمع کرتے ہوئے اتنی لمبی مسافت

www.taemeernews.com

اچانک کس طرح طے پا گئی۔ ڈال پتے کھیلتے ہوئے وہ اچانک کسی کو دبوچ لیتا یا سارہ کی ہمجولیوں میں سے کوئی اس پر چڑھ بیٹھتی تب بھی کبھی کچھ محسوس نہیں ہوا۔ کبھی گڈے گڑیوں کے کھیل کھیلتے ہوئے اسے اصلی دولہا بنا دیا جاتا اور سارہ یا اس کی کوئی ہمجولی دلہن بن جاتی، اور دونوں کو ایک چھوٹے سے دوپٹے سے ڈھک دیا جاتا، تب بھی کسی نے کچھ محسوس نہیں کیا۔ پھر آج یہ سب کچھ اچانک کیا ہو گیا، کیسے ہو گیا!

''تم گندے ہو.....'' اسے سارہ کی آواز پھر سنائی دی۔

اس نے چونک کر سارہ کی طرف دیکھا۔ اسے کچھ حیرت بھی ہوئی۔ سارہ کے چہرے پر اسے غصے کے آثار نظر نہیں آئے۔ لیکن اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ آنکھیں جھکی ہوئی، ہلکی ہلکی سی جھینپی ہوئی مسکراہٹ۔ اس نے پھر بھی سارہ کو کوئی جواب نہیں دیا۔

''نعیم!'' اب سارہ نے اسے براہ راست مخاطب کیا۔

''ہوں!'' بڑی مشکل سے نعیم کے گلے سے آواز نکلی۔

سارہ نے فوراً کچھ نہیں کہا۔ نعیم نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور پھر چہرہ دوسری طرف کر لیا۔ اسے سارہ کی بھنچی بھنچی سی ہنسی کی آواز سنائی دی تو اس نے حیرت سے سارہ کی طرف دیکھا۔ ہنسی کو دبانے کی کوشش میں اس کا سارا جسم ہل رہا تھا۔

''کیا ہوا سارہ؟''

سارہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دیر تک ہنستی رہی۔ پھر اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

''نعیم..... تم تو جوان ہو گئے ہو۔'' وہ پھر گھٹنوں میں سر دے کر ہنسنے لگی۔

نعیم جھینپ گیا۔

سارہ کے ساتھ ایسا ہی تھا۔ وہ جب ہنستی تو ہنستی ہی چلی جاتی۔ بڑی مشکل سے وہ اپنی ہنسی کو قابو میں لاتی۔ اس وقت بھی بڑی جدوجہد کے بعد اس نے اپنی ہنسی کو قابو میں کیا۔

www.taemeernews.com

''اب ہم نہیں ملیں گے۔''نعیم آخر کار بولا۔''بالکل نہیں ملیں گے ایک دوسرے سے۔''

''کیوں؟ ملیں گے کیوں نہیں۔ملیں گے بھی اور کھیلیں گے بھی۔''سارہ نے حتمی طور پر کہا۔

''لیکن.....''نعیم بولتے بولتے رک گیا۔

''کیا؟ لیکن کیا؟''سارہ نے اسی جارحیت سے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔لیکن ہم اکیلے میں نہیں ملیں گے۔سب کی موجودگی میں، گھر والوں کی موجودگی میں.....ٹھیک ہے؟''

''ہاں یہ ٹھیک ہے.....اور تم مجھ سے ہمیشہ کچھ فاصلے سے بات کرنا۔تم گندے ہو۔''وہ پھر ہنسنے لگی۔نعیم کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

پھر دونوں نے ہمیشہ اس بات کا خیال رکھا کہ ان کی ملاقات تنہائی میں نہ ہونے پائے۔وہ گھر والوں کی موجودگی میں ملتے۔کوئی کھیل بھی کھیلا جاتا۔لیکن جلد ہی وہ ان کے درمیان سے اٹھ جاتا۔اب وہ سارہ کی ہمجولیوں کے ساتھ گڈے گڑیوں کے کھیل میں شامل نہ ہوتا، ڈال پتے بھی نہ کھیلتا۔ان کے کھیلوں میں اس کی شمولیت بس برائے نام ہی رہ گئی تھی۔

ایسا لگتا کہ سارہ سب کچھ بھول چکی ہے۔نعیم کبھی کبھی یہ بھی محسوس کرتا کہ سارہ اس وعدہ کو بھی بھول چکی ہے کہ جب ملیں گے تو کسی نہ کسی کی موجودگی میں، تنہائی میں کبھی نہیں اور جیسے فاصلے کو قائم رکھنا بھی اس کے لئے ضروری نہیں رہ گیا تھا۔لیکن نعیم کو سب کچھ یاد تھا، اپنا وعدہ اور اپنا عہد۔وہ ہمیشہ چوکنا رہتا کہ سارہ سے تنہائی میں ملاقات نہ ہونے پائے۔اس سے نظریں ملتیں تو وہ جھینپ سا جاتا لیکن سارہ کے چہرے پر اسے کوئی تاثر نہ ملتا۔اسے حیرت بھی ہوتی اور اپنی کیفیت پر جھنجھلاہٹ بھی ہوتی۔

پھر وقت نے اس فاصلے کو مزید بڑھا دیا۔اسے شہر کے بورڈنگ اسکول میں داخل کرا دیا گیا۔گاؤں کی کھلی فضا سے اس کا تعلق یکسر منقطع ہو گیا۔کبھی کبھی وہ گاؤں آتا تو سارہ کے گھر

www.taemeernews.com

بھی چلا جاتا۔ گھر کے افراد کی موجودگی میں اس سے ملاقات ہوتی اور وہ اس کے چہرے پر کچھ تلاش کرنے کی کوشش کرتا لیکن اسے وہاں کچھ بھی نہ ملتا۔ اسکول اور بورڈنگ کی گہما گہمی میں سب کچھ فراموش ہو جاتا لیکن گاؤں آتا اور سارہ کا سامنا ہوتا تو سب کچھ جیسے چند لمحوں پہلے کی بات معلوم ہونے لگتی۔ اسکول سے کالج تک اس کا زیادہ تر قیام شہر میں ہی رہا۔ حالات نے کچھ ایسے رخ اختیار کئے کہ سارے گھر والے شہر میں ہی آ بسے۔ شاذ ہی کبھی گاؤں جانا ہوتا۔

سارہ اور نعیم کے گھر والے ایک دوسرے سے بہت قریب تھے۔ اکثر معالات میں آپس میں مشورے کرتے۔ لیکن سب لوگوں کے شہر کے قیام نے ذہنی اور قلبی فاصلے بھی بڑھا دیئے تھے۔ نعیم کی تعلیم ابھی مکمل بھی نہ ہو پائی تھی کہ سارہ کی شادی طے ہوگئی۔ نعیم کے گھر والے بھی شادی میں شریک ہونے گاؤں پہنچے۔ نعیم کو عجیب سا محسوس ہوا۔ وہ سارہ کے گھر جاتا لیکن اس سے ملاقات نہ ہو پاتی۔ وہ سوچتا کہ پتہ نہیں سارہ کو اس کے آنے کی خبر ہے بھی یا نہیں۔ اس کا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا اور خوب گہما گہمی بھی تھی۔ اس نے بظاہر اس سے ملنے کی کوشش نہیں کی لیکن اس تاک میں ضرور رہتا کہ چند لمحوں کے لئے ہی سہی، اس سے آمنا سامنا ہو جائے۔ کبھی کبھی وہ سوچتا شاید سارہ ہی ملنا نہیں چاہتی ورنہ وہ کوئی صورت ضرور نکال لیتی۔ وہ اس خیال کو بھی ذہن سے جھٹک دیتا کہ شاید سارہ کو اس کے آنے کی خبر ہی نہ ہو۔ پھر وہ اس کے رویئے پر غور کرتا۔ وہ تو شاید پہلے ہی سب کچھ بھول چکی ہے، اس کے ذہن سے تو سب کچھ پہلے ہی محو ہو چکا ہے.....اور پھر اس نتیجے پر پہنچتا کہ اگر ایسا ہے تو سارہ کی آئندہ زندگی کے لے یہی بہتر بھی ہے۔

اب اس کا گاؤں جانا تقریباً موقوف ہو چکا تھا۔ گھر والے بھی شہر میں ہی تھے جو کبھی کبھی ضرورتاً گاؤں چلے جاتے۔ وہ کالج سے نکلا تو یونیورسٹی میں داخل ہوگیا۔ یہاں کی مصروفیات اس پر بہت زیادہ حاوی ہوگئیں۔ اسے اتنی خبر تو تھی کہ سارہ اپنے شوہر کے ساتھ اسی شہر میں آ گئی ہے لیکن اس نے کبھی اس سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔ یونیورسٹی سے نکلا تو ملازمت کے حصول تک کے

www.taemeernews.com

وقفے میں اس کے پاس فراغت ہی فراغت تھی۔ گھر والے تو سارہ سے ملنے کبھی کبھار چلے ہی جاتے تھے۔ نعیم کی والدہ کہتیں۔

''وہ اتنی محبت کرنے والی بچی ہے کہ ہمیں دیکھ کر کھل اٹھتی ہے، بچھ بچھ جاتی ہے۔ اس کا بس نہیں چلتا کہ وہ کیا کر بیٹھے ہمارے لئے۔ بس اکیلی بہت ہے۔ اس کا میاں اتنا مصروف رہتا ہے کہ بس کچھ نہ پوچھو۔''

پھر ایک دن مل کر آئیں تو کہنے لگیں۔ ''اس کا اکیلا پن دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے۔ اللہ اس کی گود ہی بھر دیتا تو بے چاری مصروف ہو جاتی۔''

کبھی کبھی وہ سارہ کے پاس جانے کے لئے سوچتا بھی تو اس کے اکیلے پن سے ڈر کر اس کے بڑھتے ہوئے قدم رک جاتے۔ وہ اس سے ملنے کا خیال ترک کر دیتا۔ لیکن ایک دن وہ خود کو روک نہ پایا۔ اس یقین کے ساتھ کہ اس وقت سارہ کا شوہر گھر میں موجود ہوگا، وہ اس کے دروازے پر دستک دے بیٹھا۔

سارہ اسے دیکھ کر بری طرح چونک اٹھی۔ اس کے چہرے پر کئی رنگ آئے اور گزر گئے۔ دروازے کو پکڑے ہوئے اس کی انگلیاں کانپ رہی تھیں۔ نعیم خاموشی سے کھڑا اس کی کیفیت کو دیکھتا رہا۔

''کیا پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو سارہ!''

''تم..... تم بہت.....'' اس کی آواز حلق میں پھنس رہی تھی۔

''کیا دروازے سے ہی رخصت کر دو گی؟'' اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

سارہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔ لاؤنج میں ایک کرسی پر اس کا شوہر نیم دراز تھا۔

''یہ دیکھئے..... دیکھئے تو کون آیا ہے۔ یہ نعیم ہیں، ان کی امی تو آتی رہتی ہیں، یہ اس شہر میں رہتے

www.taemeernews.com

ہوئے بھی پہلی بار آئے ہیں ہمارے گھر۔''

امتیاز میاں سنبھل کر بیٹھ گئے۔کوشش کر کے کھڑے ہوئے جیسے بہت تھکے ہوئے ہوں۔

''بھی نعیم میاں! آپ کا ذکر تو بہت رہتا ہے۔بھئی کبھی کبھی آجایا کیجئے۔کیا میری ہی طرح آپ بھی بہت مصروف رہتے ہیں؟''

پھر امتیاز نے اپنی مصروفیت تفصیل سے بتائی۔روزانہ صبح وقت سے دفتر جانا اور کبھی وقت سے واپس نہ آنا۔بلکہ کبھی کبھی چھٹیوں میں بھی دفتر جانا۔

''میں تو عزیزوں رشتہ داروں سے بالکل کٹ کر رہ گیا ہوں۔ملازمت ہی ایسی ہے۔کبھی دن کی ڈیوٹی اور کبھی رات کی۔سارہ کو بھی زیادہ وقت نہیں دے پاتا۔یہ بے چاری بھی گھر میں قید ہو کر رہ گئی ہے۔میں جانتا ہوں یہ زیادتی ہے اس کے ساتھ.....''

''پھر وہی بات.....میں نے کہا ہے نا کہ مجھے بے چاری بالکل نہ کہا کریں۔''سارہ بول پڑی۔

نعیم بڑی توجہ سے امتیاز کی باتیں سن رہا تھا۔سارہ کی بات پر مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

''یہ ایسی ہی ہیں امتیاز بھائی۔انہیں لفظ 'بے چاری' بالکل پسند نہیں۔میں انہیں بچپن سے جانتا ہوں۔''

''اور تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ بڑے تکلف سے باتیں کر رہے ہو۔میں سارہ ہوں سارہ!''

''میں کہاں تکلف سے باتیں کر رہا ہوں۔''نعیم نے کہا۔

''ارے اس بیگانگی سے باتیں کرنی ہیں تو اچھا تھا تم آج بھی نہ آتے۔''سارہ کچھ ناراضگی سے بولی۔

''ارے سارہ، نعیم میاں یہاں پہلی بار آئے ہیں اور تم.....''

''پہلی بات تو یہ کہ یہ پہلی بار یہاں کیوں آئے ہیں۔دوسری بات یہ کہ ہم بچپن میں ڈال پتے کھیلتے رہے ہیں، گڈے گڑیوں کے کھیل کھیلتے رہے ہیں، رنگ برنگے چھوٹے بڑے کنچے جمع کرتے

www.taemeernews.com

رہے ہیں اور یہ اتنے تکلف سے کہہ رہے ہیں، میں 'انہیں' بچپن سے جانتا ہوں.....

'انہیں'....." اس نے لفظ 'انہیں' پر زور دے کر کہا تو دونوں ہنس پڑے۔

"اچھا بھئی اچھا۔ غلطی ہوئی معاف کردو۔" نعیم جلدی سے بولا۔

"پتہ نہیں کب تک غلطیاں کرتے رہو گے اور معافی بھی مانگتے رہو گے۔"

سارہ نے یہ بڑی سادگی سے کہا تھا لیکن نعیم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ امتیاز کرسی پر نیم دراز دونوں کی باتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"بھئی نعیم میاں، آپ تو کبھی کبھی آ ہی جایا کریں۔ آپ دونوں کی نوک جھونک سے تو گھر میں رونق سی آ گئی۔"

"اور آپ بھی....." سارہ نے امتیاز کی طرف مڑ کر کہا۔ "یہ نعیم میاں اور آپ آپ کیا کر رہے ہیں؟ بھئی یہ نعیم ہیں اور بس۔"

"اچھا بھئی میں صرف نعیم ہی کہوں گا۔ اب نعیم میاں کو..... میرا مطلب ہے نعیم کو کچھ چائے وائے تو پلواؤ۔"

"چائے کھانے کے بعد پئیں گے۔ پہلے ہم سب ایک ساتھ کھانا کھائیں گے۔"

"نہیں نہیں، کھانا پھر کبھی....." نعیم نے کہنا چاہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا کیا یہ کھانے کا وقت نہیں ہے؟" سارہ نے سختی سے کہا۔

"کھانے کا وقت تو ہے لیکن مجھے ذرا جلدی جانا تھا۔"

"کہاں جانا تھا، گھر ہی جانا ہے نا۔ بہت لوگ ہیں تمہارا انتظار کرنے والے۔ مجھے ہی تمہارا انتظار نہیں تھا جیسے۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ابھی لگاتی ہوں کھانا۔ کھانا کھاؤ، چائے پیو اور دوبارہ جلدی آنے کا وعدہ کر کے جاؤ۔ مجھے معلوم ہے تم وعدے کے بہت پکے ہو۔"

وہ پھر چونکا۔ اس بار چونک کر امتیاز کی طرف دیکھا۔ وہ بیگانگی سے نیم دراز مسکراتے رہے۔

www.taemeernews.com

سارہ کچن کی طرف چلی گئی۔ نعیم سوچتا رہا کہ سارہ نے اتنے ذو معنی جملے دانستہ کہے ہیں یا ویسے ہی رواروی میں کہہ گئی ہے..... اس نے پھر خود سے وعدہ کیا کہ وہ کبھی ایسے وقت میں اس سے ملنے نہیں آئے گا جب امتیاز کی غیر موجودگی کا شبہ ہو۔ وہ میز پر کھانا لگاتے ہوئے بھی کچھ نہ کچھ بولتی رہی۔ کبھی امتیاز کو مخاطب کرتی اور کبھی نعیم کو۔

''بھئی نعیم کبھی کبھی آجایا کرو، بلکہ تواتر سے آیا کرو۔ میں سارہ کو وقت نہیں دے پاتا۔ دیکھو آج کتنی خوش ہے۔ اور تم تو بھئی پرانے میکے والے ہو۔ تمہارے گھر کے لوگ آجاتے ہیں تب بھی سارا وقت یہ مجھ سے ان کی ہی روداد سناتی رہتی ہے۔''

''ہاں امتیاز بھائی کوشش کروں گا۔ دراصل ملازمت کی تلاش میں مصروف رہتا ہوں۔''

''تب تو بہت وقت ہونا چاہئے تمہارے پاس۔ بھئی درخواست بھیجی اور انٹرویو کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ یہی تو فرصت کے لمحات ہوتے ہیں۔ اگر ویسی ملازمت مل گئی جیسی میری ہے تو فرصت کے لمحات کو ترستے رہ جاؤ گے۔''

کھانے کے دوران بھی سارہ کی زبان چلتی رہی۔ ''آپ جانتے ہیں امتیاز، یہ بڑے حساس دل کے آدمی ہیں۔ گڈے گڑیوں کے کھیل میں جب ہم گڑیا کو رخصت کرتے وقت جھوٹ موٹ رویا کرتے تھے تو یہ حضرت باقاعدہ آنسوؤں سے رونے لگتے تھے۔ گڑیا کی رخصتی پر نہیں، بلکہ ہم لوگوں کو روتا دیکھ کر۔''

وہ خود ہی ہنسنے لگی۔ امتیاز اور نعیم بھی مسکرا اٹھے۔ وہ بڑے چاؤ سے دونوں کو کھانا کھلاتی رہی۔

کھانے کے بعد چائے کا دور چلا۔ پھر امتیاز کو جماہیاں لیتے دیکھ کر نعیم جانے کے لئے اٹھ گیا۔

پھر نعیم کا یہ معمول بن گیا۔ وہ تواتر سے سارہ کے گھر جانے لگا۔ لیکن پہلے وہ وقت کا تعین کرتا اور جب اسے یقین ہو جاتا کہ امتیاز گھر آچکے ہوں گے تب ہی وہ سارہ کے گھر پہنچتا۔ سارہ اور امتیاز کے ساتھ کھانا کھاتا اور سارہ تمام وقت بچپن کے واقعات سناتی رہتی۔

www.taemeernews.com

''جانتے ہیں امتیاز، یہ حضرت خاصے احمق واقع ہوئے ہیں۔ایک بار ڈال پتے کھیلتے ہوئے میں نیچے کود پڑی اور یوں ہی پیر میں موچ آجانے کی اداکاری کرنے لگی۔ان حضرت سے کچھ نہ بن پڑا تو میرے قریب بیٹھ کر میرا پیر پکڑ کر رونے لگے۔''حسب معمول وہ ہنسنے لگی اور نعیم اور امتیاز مسکرا اٹھے۔

چائے پیتے ہوئے نعیم نے ایک بار امتیاز سے پوچھا۔''امتیاز بھائی، میرا اتنے تواتر سے آنا آپ کو بُرا تو نہیں لگتا؟''

امتیاز ہنس پڑے۔''بھائی نعیم، کیسی باتیں کرتے ہو۔میں تو تمہارا شکر گزار ہوں۔دیکھو نا! سارہ کتنی خوش نظر آنے لگتی ہے۔اور بھئی خواتین کو تو میکے کی ہر چیز پیاری ہوتی ہے۔پھر تم لوگ تو اس کے اپنے ہو۔''

امتیاز اسے ہمیشہ تھکے تھکے نظر آتے۔نعیم کو محسوس ہوتا کہ امتیاز پر غنودگی طاری ہو رہی ہے تو وہ فوراً اٹھ جاتا۔

ایک دن اس کا حساب کچھ غلط ہو گیا۔وہ پہنچا تو امتیاز اس وقت تک گھر نہیں لوٹے تھے۔سارہ نے بتایا کہ انہیں آج کچھ زیادہ ہی تاخیر ہو جائے گی۔وہ بے چین ہو گیا۔وہ کھڑے کھڑے ہی واپس ہونے لگا۔

''کیا بات ہے نعیم، تم اتنے بے چین کیوں ہو۔اگر بھوک لگ رہی ہو تو میں کھانا لگا دیتی ہوں۔ممکن ہے نعیم آج کھانا کھا کر ہی آئیں۔''

''نہیں سارہ، مجھے ابھی بھوک نہیں ہے۔لیکن میں چلوں گا۔''

''کیا بات ہو گئی، اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟ ایک تو تم ذرا ذرا سی بات سے گھبرا جاتے ہو۔ بچپن میں بھی تم.....''

''سارہ! بچپن کی ہر بات تمہیں اتنی تفصیل سے کس طرح یاد ہے۔''نعیم نے اس کی بات کاٹ کر

www.taemeernews.com

پوچھا۔

''ہاں یہ بات تو ہے۔ مجھے تو سب کچھ یاد ہے۔ایک ایک بات۔''

''تمہیں سب کچھ یاد ہے؟''نعیم نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔

سارہ نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔ پھر ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی۔

''ہاں نعیم، مجھے سب کچھ یاد ہے۔ایک ایک بات۔شاید تمہیں ہی کچھ یاد نہیں۔''

''مجھے بھی بہت کچھ یاد ہے سارہ۔ اسی لئے کہہ رہا ہوں کہ تمہیں سمجھ لینا چاہئے میں کیوں جانا چاہتا ہوں۔''

''لیکن مجھے تو ایسی کوئی بات یاد نہیں۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا تمہیں یاد نہیں کہ ہم دونوں نے ایک دوسرے سے وعدہ کیا تھا، عہد کیا تھا کہ کبھی اکیلے میں ایک دوسرے سے نہیں ملیں گے؟''

''نہیں مجھے ایسی کوئی بات یاد نہیں۔اور میری یادداشت بہت اچھی ہے۔''

''کیا؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے!''اس نے حیرت سے کہا۔

''ہم نے ایسا کوئی عہد نہیں کیا تھا نعیم، ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا ایک دوسرے سے۔'' سارہ نے یقین سے کہا۔

''لیکن سارہ.....'' اس نے پھر کہنا چاہا۔

''میں نے کہا نا کہ میں نے ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔'' سارہ نے پھر پورے یقین سے کہا۔

''سارہ.....'' وہ بس اس کا نام لے کر رہ گیا۔

اس کے بعد اس سے کچھ بھی نہ کہا گیا۔اس نے بے بسی سے دروازے کی طرف دیکھا لیکن اسے یاد آیا، سارہ نے اسے بتادیا تھا کہ امتیاز کو گھر آنے میں آج کچھ زیادہ ہی تاخیر ہوجائے گی۔

✿✿

www.taemeernews.com

ہرفن مولا

حسب معمول بیگم مجھے دروازے تک رخصت کرنے آئیں تو لالہ کو احکامات جاری کر دیئے۔

''لالہ، وہ تمہیں یاد ہے نا، میں نے تمہیں الیکٹریشین کے لئے کہا تھا۔ آج اسے ضرور لے آنا۔''

لالہ نے مجھے دفتر میں اتارا اور الیکٹریشین کو لینے چلا گیا۔ لالہ کے لئے بھی یہ روز کا معمول تھا۔ وہ مجھے دفتر چھوڑتا، بیگم کے احکامات بجالاتا، میرے لئے دوپہر کا کھانا گھر سے لے کر آتا اور شام کو مجھے گھر چھوڑ کر خود بھی چھٹی کرتا۔

رات میں کھانے کی میز پر بیگم دن بھر کی مصروفیات کا بیان کرتیں، کسی کی شکایت اور کسی کی تعریف یا خبروں پر تبصرے.....اس روز وہ الیکٹریشین کی تعریف میں رطب اللسان تھیں۔

''بھئی یہ آزاد تو عجیب وغریب آدمی ہے، دو تین سوئچ خراب تھے اس نے پورے گھر کے سوئچ چیک کر ڈالے۔ واشنگ مشین کی آواز سن کر چونک پڑا۔ کہنے لگا اس کا ڈرم بیٹھ جائے گا، اسے بالکل نہ چلائیں۔ پھر اسے کھول کر بیٹھ گیا۔ شام تک پتہ نہیں کیا کیا کرتا رہا، اور اب جو مشین چلائی

www.taemeernews.com

ہے تو بالکل بے آواز..... کوکنگ رینج کو گھورتا رہا، کہنے لگا شعلے نیلے کیوں نہیں ہیں، یہ تو برتنوں کو کالے کر دیں گے۔ پھر اسے کھول کر بیٹھ گیا۔ بازار سے کچھ پرزے بھی خرید لایا۔ اب جا کر دیکھئے، کیسے نیلے نیلے شعلے نکل رہے ہیں، پتیلیوں پر دھبے بھی نہیں پڑتے۔''

بیگم، آزاد کی کارگزاری سناتی رہیں اور میں دل ہی دل میں حساب لگاتا رہا کہ اس نے بیگم سے کتنی رقم اینٹھ لی ہوگی۔ آخر میں نے پوچھ ہی ڈالا۔

''یہ بتاؤ اس نے بل کتنی رقم کا بنا ڈالا۔!''

''یہ تو اس نے بتایا ہی نہیں۔ میں نے پوچھا تو کہنے لگا لالہ کو بتا دوں گا۔''

''تم نے لالہ سے پوچھا؟''

''نہیں، ابھی تو وہ بہت سارے کام بتا گیا ہے۔ کہہ رہا تھا اے سی یونٹوں کی سروسنگ کی ضرورت ہے۔ کل وہ پھر آئے گا۔''

''بیگم، بہتر ہے کہ اس سے اجرت طے کر لو ورنہ بعد میں وہ اپنی مرضی کے مطابق تم سے پیسے وصول کرے گا۔''

''بھئی میں نے جب بھی اس مسئلے پر بات کرنی چاہی اس نے خاموشی اختیار کر لی۔ جب میں نے اصرار کیا تو کہنے لگا میں لالہ کو بتا دوں گا۔''

اگلے دن میں نے لالہ سے آزاد کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا۔

''صاحب، وہ بڑا فنکار آدمی ہے، ہرفن مولا ہے۔ ہر طرح کے کام کا ماہر ہے۔ وہ بجلی کا کام کرتا ہے، وہ موٹر کار کا کام جانتا ہے، وہ فریج، اے سی کا کام کرتا ہے، وہ گھڑی کا مرمت کرتا ہے، گھر میں رنگ روغن کا کام کرتا ہے، ہوٹل میں بیرا گیری کرتا ہے، پلمبر کا کام کرتا ہے..... صاحب وہ ہر فن مولا ہے۔ اس کو کوئی بھی کام بتا دو، وہ پورا مہارت سے کرتا ہے۔''

www.taemeernews.com

''لالہ اس کا پیشہ کیا ہے، روزی کمانے کے لئے کوئی خاص پیشہ تو اختیار کیا ہوگا اس نے۔!''

''صاحب، اس کا دماغ تھوڑا سا خراب ہے۔ وہ کسی کا اونچا آواز برداشت نہیں کرتا۔ جو اس کا عزت کرتا ہے وہ اس کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار رہتا ہے۔''

میں نے وقت گزارنے کے لئے راستے میں بات جاری رکھی۔

''تم اسے کہاں سے پکڑ لائے۔''

''صاحب، وہ ہمارا دوست ہے۔ ہم جس ہوٹل میں ناشتہ کرتا ہے، ادھر وہ چائے پینے آتا تھا۔ اخبار پڑھتا تھا اور ہنستا تھا۔ ہم نے پوچھا بھائی تم ہنستا کیوں ہے، ادھر اخبار میں کوئی لطیفہ ہوتا کیا..... مگر وہ کچھ نہیں بولتا تھا۔ بس اخبار پڑھتا تھا اور مسکراتا رہتا تھا۔''

''پھر تم سے دوستی کس طرح ہوگئی؟'' میں نے پوچھا۔

''ہم اس سے اخبار سنانے کو بولا تو وہ خبریں سنانے لگا۔ بولتا تھا ہم لوگ جس مصیبت سے گزرا وہ تم لوگ محسوس نہیں کرتا تھا۔ اب تم پر گزر رہا ہے تو تم لوگ باپ باپ کرتا ہے۔ بولتا تھا ہمارا مدد کو بھی کوئی نہیں آیا، تمہارا مدد کو بھی کوئی نہیں آئے گا۔''

''اچھا..... تو وہ بنگلہ دیش سے آیا ہے؟''

''صاحب، یہ اس کو کبھی مت بولنا۔ وہ اس کو گالی سمجھتا ہے۔ بولتا ہے ہمیں بنگلہ دیش کا کچھ نہیں معلوم۔ ہم تو مشرقی پاکستان میں رہتا تھا، مشرقی پاکستان نہیں رہا تو ہم بھی اس کو چھوڑ دیا۔''

رات کو کھانے پر بیگم نے آزاد کی کارگزاری سنائی کہ اس نے اے سی یونٹوں کی سروسنگ کی، کئی نلوں سے پانی رس رہا تھا، اس نے انہیں ٹھیک کیا، کچھ زنگ آلود پائپ کاٹ کر نئے لگا دیئے اور زیرزمین پانی کی ٹنکی کی صفائی کر ڈالی۔ اجرت کی بات پھر اس نے ٹال دی کہ وہ لالہ کو بتا دے گا۔

مجھے اندازہ تھا کہ اس طرح کام نکال نکال کر کرنے والے اپنی مرضی کی اجرت طلب

www.taemeernews.com

کرتے ہیں۔ شہر کی مخدوش صورت حال کے پیش نظر کاروبار کا حال یوں بھی خاصا مندا تھا۔ جیسے تیسے دفتر کو قائم رکھا ہوا تھا۔ ٹائپسٹ چلا گیا تو اس کی جگہ خالی ہی رہی۔ دفتر میں کوئی چپراسی نہیں تھا۔

میں نے بھی اس طرف سے آنکھیں بند کر رکھی تھیں کہ جب تک ان کے بغیر کام چل رہا ہے، چلتا رہے۔ چھ سات افراد کا عملہ اور تین کمروں کا دفتر۔ اخراجات نکالنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ کسی دن کوئی لاش ملتی، اگلے دن ہڑتال ہوتی اور دس دنوں تک اس کے اثرات قائم رہتے لیکن بیگم کو میں نے کاروباری حالات سے دور ہی رکھا تھا۔ وہ اپنی دنیا میں مگن رہتیں۔ البتہ جس دن ہڑتال ہوتی وہ اپنی شاپنگ کے پروگرام اور دوسری مصروفیات کو ملتوی کر دیتیں۔

ایک دن یونہی خیال آیا تو میں نے بیگم سے آزاد کے بارے میں پوچھ لیا کہ اس نے کتنی اجرت طلب کی۔

''وہ عجیب آدمی ہے۔ اس نے کوئی اجرت طلب نہیں کی۔ میرے اصرار پر صرف اتنا کہا کہ لالہ کو بتا دوں گا۔ لالہ نے بھی کچھ نہیں کہا۔'' بیگم نے بتایا۔

میں نے لالہ سے اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا۔

''صاحب، ہم اس سے معاوضے کا بات کیا تھا، وہ ناراض ہو گیا۔ بولتا تھا اگر ہم اس موضوع پر بات کرے گا تو وہ دوستی ختم کر دے گا۔''

''لالہ اس نے محنت کی ہے، اپنا وقت لگایا ہے، اسے اس کی محنت کا اجر تو ملنا ہی چاہئے۔''

''ہم اس کو سب بولا تھا صاحب مگر وہ بولتا ہے کہ لالہ تم تو بولا تھا تمہارا گھر کا کام ہے۔ اب دوست کا گھر میں کام کرنے کا کوئی اجرت تھوڑا ہی ہوتا ہے۔ ہم تو اپنا گھر میں کام کیا، اپنا گھر کا کام سمجھ کر کیا، اس کا معاوضہ کیسا۔''

''پھر بھی لالہ.....'' میں نے کہنا چاہا۔

''صاحب اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ وہ ایک پیسہ نہیں لے گا۔ وہ ضد کا پکا ہے۔''

www.taemeernews.com

''آج کل وہ کیا کر رہا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''بے کار ہے صاحب، بے روزگار.....''

''اچھا اسے تم میرے پاس لے آؤ۔ دفتر میں چپراسی کا کام کرنا چاہے تو جگہ خالی ہے۔''

اگلے روز لالہ اسے لے کر آیا تو میں نے پوچھا۔

''ہاں بھئی آزاد میاں..... یہ تم اپنے کام کے پیسے کیوں نہیں لے رہے ہو؟''

اس نے لالہ کی طرف دیکھا اور سر جھکا کر خاموش کھڑا رہا۔

مجھے لالہ کی بات یاد آ گئی۔ میں مسکرا کر رہ گیا۔

''اگر دفتر میں چپراسی کی جگہ کام کرنا چاہو تو جب جی چاہے آ جانا۔ لیکن تنخواہ پہلے طے کر لو۔''

''صاحب میں تو آج سے کام پر آ سکتا ہوں۔'' اس نے بہت دیر کے بعد کوئی بات کی۔

''ٹھیک ہے، آج سے ہی شروع ہو جاؤ۔ لیکن تنخواہ کیا لو گے؟''

''صاحب، تنخواہ ہم اپنی ضرورت کے مطابق لیں گے۔ ڈھائی ہزار۔ کیونکہ ہمارا گزارا اتنی ہی رقم میں ہو سکتا ہے۔''

''بھئی یہ تو بہت زیادہ ہے۔ اتنا تو ہم ٹائپسٹ کو بھی نہیں دیتے۔''

''صاحب، ہم اپنی تنخواہ خود نکالیں گے۔ اگر ہم اپنی تنخواہ نہ نکال سکے تو ایک مہینہ کام دیکھ کر آپ ہمیں نکال دیجئے گا۔''

میں اس کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔ پتہ نہیں میرے جی میں کیا آئی کہ میں نے اس کی بتائی ہوئی تنخواہ پر اسے رکھ لیا اور اگلے دن دفتر پہنچنے کی تاکید کی۔

انتہائی ضروری ٹائپنگ کے کاغذات یا تو میں خود ٹائپ کر لیتا یا پھر اکاؤنٹنٹ یا دفتر کے عملے کا کوئی اور فرد۔

ایک دن اپنی میز پر ٹائپ کئے ہوئے کاغذوں کے انبار نظر آئے۔ اکاؤنٹنٹ نے بتایا

www.taemeernews.com

کہ کل رات دیر تک آزاد یہ کام کرتا رہا ہے اور سارے ملتوی شدہ کاغذات ٹائپ کر کے دستخط کے لئے میری میز پر رکھ دیئے۔ اس کا ایک اور جوہر کھلا۔

دفتر کے تینوں کمروں کے اے سی یونٹوں کی سروسنگ بھی ہوگئی۔ ہڑتال کے دنوں میں کمروں میں رنگ روغن بھی ہو گئے۔ اسٹیشنری کے سپلائر کو اس نے اسٹیشنری لانے سے منع کر دیا اور خود ہول سیل مارکیٹ سے رعائتی قیمتوں پر اسٹیشنری لے آتا۔ اکاؤنٹنٹ کو معاون کی ضرورت تھی، یہ ضرورت بھی آزاد نے پوری کر دی۔ ٹائپنگ کے کام وہ دفتر کے بعد کے اوقات میں کرتا۔ گویا اس نے اپنی تنخواہ کا بندوبست خود ہی کر لیا تھا۔

کاروباری حالات انتہائی نازک تھے لیکن اخراجات میں حیرت انگیز کمی نے کاروبار کو سنبھالے رکھا تھا۔ میں نے غور کیا تو ہر معاملے میں آزاد کی کارفرمائی نظر آئی۔ وہ دفتر کا انتہائی اہم جز بن چکا تھا۔

ایک دن وہ کہنے لگا۔

''صاحب ہم کو ذرا جلدی چھٹی دے دیا کیجئے۔ ہم دن کی روشنی میں اپنے محلے میں داخل ہو سکتے ہیں، دن ڈھلنے کے بعد وہاں کوئی داخل ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا۔''

''کیا ادھر حالات بہت خراب ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''صاحب، بہت خراب ہیں۔ رات بھر گولیاں برستی ہیں۔ دھائیں دھائیں کی آواز سے بیوی بچے سہمے پڑے رہتے ہیں۔ صبح تک دو چار لاشیں گرتی ہیں اور دن بھر پولیس پکڑ دھکڑ میں لگی رہتی ہے۔ صاحب، ہم جلدی آ کر کام نبٹا دیا کریں گے۔''

''تم کام کی فکر مت کرو آزاد۔ اپنی سہولت کے مطابق کام کے اوقات متعین کر لو۔''

آزاد جلدی چلا جاتا اور صبح سویرے پہنچ کر اپنے کام سرانجام دے ڈالتا۔ اس کے ذمے خصوصی طور پر کوئی کام نہیں تھا لیکن ایسا لگتا تھا کہ ہر کام میں اس کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہے۔

www.taemeernews.com

ایک روز وہ دفتر نہیں آیا۔ یہ ایک غیر معمولی بات تھی۔ اس سے رابطے کا واحد ذریعہ لالہ تھا لیکن اسے بھی کچھ خبر نہیں تھی۔ وہ دوسرے روز بھی نہیں آیا۔ روزانہ دفتر کے تمام لوگ اس کا انتظار کرتے۔ اس کی کمی دفتر کے ہر شخص نے محسوس کی اور وہ ایک ہفتہ کے بعد وارد ہوا تو اس کا عجیب حلیہ تھا۔

''صاحب، ہم لوگ بری طرح سے گھرے ہوئے تھے، کوئی گھر سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ ہم تو پھر بھی نکل پڑے کیونکہ میرا بڑا لڑکا پانچ دن سے لاپتہ ہے۔ ہر جگہ ڈھونڈ لیا، سارے اسپتال دیکھ لئے، تمام تھانوں کے چکر لگا ڈالے، اس کا کوئی پتہ نہیں چلا..... وہ تو کسی بوری سے بھی برآمد نہیں ہوا..... اب ہم کیا کریں..... ایک بیٹی وہاں رہ گئی، ایک بیٹا یہاں چلا گیا۔ صاحب ہم کس گناہ کی سزا بھگت رہے ہیں.....''

اس کی آواز رندھ گئی، آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے، چہرہ ستا ہوا تھا، شیو بڑھی ہوئی تھی اور وہ برسوں کا بیمار نظر آ رہا تھا۔

''تم نے بیٹی کا کیا بتایا آزاد.....' میں نے پوچھا۔

''غائب ہوگئی تھی صاحب اور کیا..... اٹھا لے گئے تھے سب..... وہ واپس نہیں لوٹی۔ ہم تو اس کی شادی کی تیاری کر رہے تھے، وہ خود ہی رخصت ہوگئی۔ اب یہ چودہ سال کا بیٹا..... نویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ یہ تو لاخیرے لڑکوں میں بھی اٹھتا بیٹھتا نہیں تھا، کھیلوں میں کوئی دلچسپی نہیں لیتا تھا، بس اسکول جاتا تھا.....''

''آزاد، تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ اپنے گھر والوں کو لے کر میرے یہاں آ جاؤ۔ جب حالات ٹھیک ہو جائیں گے تو اپنے گھر چلے جانا.....''

''جب تک حالات ٹھیک ہوں گے اس وقت تک تو.....'' اس کی آواز گلے میں پھنسنے لگی۔ اس نے کھانس کر گلا صاف کیا، پھر بولا۔

www.taemeernews.com

''ہم بیوی بچوں کو اپنے سسر کے گھر چھوڑ آئے ہیں۔ وہاں ٹیلی فون ہے۔ خیریت ملتی رہے گی۔ ان کا گھر بھی اسی محلے میں ہے مگر تھانے کے نزدیک ہے، شاید سب محفوظ رہیں۔''

''ٹھیک ہے، تم ٹیلی فون کرلیا کرو اور حالات دیکھ کر گھر جایا کرو۔''

''جی صاحب، ہم یہیں دفتر میں پڑ رہا کریں گے۔ لالہ بے چارہ بھی مشکل سے آتا جاتا ہے، کوئی علاقہ محفوظ نہیں ورنہ اسی کے گھر چلے جاتے۔''

آزاد روزانہ ٹیلی فون پر اپنے گھر والوں سے رابطہ کرتا اور مجھے ان کی خیریت سے باخبر رکھتا۔ ایک بار راستہ کھلا تو میرے اصرار پر وہ اپنے گھر گیا لیکن چار دنوں تک پھر وہاں سے نکل نہ سکا۔ لالہ خود کئی کئی دن غیر حاضر رہتا، وہ آزاد کی کوئی خبر نہ لا سکا۔ آزاد دفتر آیا تو اس کی پریشانی کا اندازہ اس کے چہرے سے لگایا جا سکتا تھا۔

''صاحب ہم کو بیوی نے الوداع کہہ کر رخصت کیا ہے۔ ہم بھی بیوی بچوں کو الوداع کہہ آئے ہیں۔ ہمارا دل کہتا ہے ہماری اب ملاقات نہیں ہوگی۔''

میں کچھ دیر تک کچھ بھی بولنے سے قاصر رہا۔

''آزاد، تم نے تو بہت برے حالات دیکھے ہیں، اتنے مایوس کیوں ہوتے ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہر طرح کا وقت گزر جاتا ہے۔ میں اب بھی کہتا ہوں اپنے بیوی بچوں کو وہاں سے نکال لاؤ۔''

''صاحب کتنے لوگ وہاں سے نکل سکتے ہیں اور جائیں بھی تو کہاں جائیں۔ ایک بہن دوسرے محلے میں رہتی ہے، وہ بھی اسی طرح کے حالات سے گزر رہی ہے، اس کے تو دو جوان بیٹے غائب ہیں.....ایک سالا جس محلے میں رہتا ہے وہاں نہ کوئی داخل ہو سکتا ہے نہ نکل سکتا ہے.....''

شہر میں نفسا نفسی کا عالم تھا۔ روزانہ لاشیں گنی جاتیں۔ کم تعداد پر لوگ شکر ادا کرتے۔ ہر طرف سناٹا رہتا۔ اس بھرے پرے شہر میں سڑکوں پر کتے لوٹتے۔ کہیں ٹائر جلائے جاتے، کبھی ہڑتال کی کال ہوتی اور اکثر کرفیو نہ ہونے کے باوجود کرفیو کا سا سماں رہتا۔

www.taemeernews.com

لالہ بھی مشکل سے ہی پہنچ پاتا تھا۔ میں خود ہی کسی طرح گاڑی چلا کر دفتر جانے کی رسم ادا کرتا اور لوگوں سے خیر و عافیت پوچھ کر گھر واپس آ جاتا۔ اس روز دفتر پہنچا تو آزاد ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

''صاحب، آپ میری تنخواہ بارہ سو روپے کر دیجئے۔''

مجھے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ اب تک تو تنخواہ بڑھانے کا مطالبہ سنتا آیا تھا، کمی کی بات پہلی مرتبہ سنی تھی۔

''کیا بات ہے آزاد..... تمہیں معلوم ہے تم کیا کہہ رہے ہو!''

''ہاں صاحب، ہمیں معلوم ہے ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ ہم تو اپنی ضرورت کے مطابق تنخواہ لیتے ہیں۔ اب ڈھائی ہزار کی ضرورت نہیں رہی۔ بارہ سو میں گزارہ ہو جائے گا۔''

میں اٹھ کر اس کے قریب چلا گیا۔

''آزاد، سب خیریت تو ہے!'' میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

''صاحب، اب تو ادھر کچھ بھی نہیں بچا ہوگا۔'' اس کی رندھی ہوئی آواز نکلی۔

''کیا نہیں بچا ہوگا، ذرا کھل کر کہو۔''

''صاحب، رات کے وقت بیوی سے ٹیلی فون پر بات ہوئی تھی۔ کئی دن سے گھر والے سو نہیں سکے ہیں۔ ہر طرف اسلحہ بردار دندناتے پھر رہے ہیں، گھروں میں گھس جاتے ہیں، راشن پانی بھی تقریباً ختم ہو گیا ہے، بیوی تو اب رو بھی نہیں پا رہی تھی۔ اس نے..... اس نے حقِ مہر بھی ہم کو معاف کر دیا ہے.....''

میں کرسی پر آ کر بیٹھ گیا، پیروں میں کھڑے ہونے کی سکت نہیں رہ گئی تھی۔ مجھے پھر آزاد کی آواز سنائی دی۔

''اب تو ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی ہے مگر کوئی اٹھاتا ہی نہیں ہے۔''

www.taemeernews.com

میں نے اسے دیکھنے کی کوشش کی لیکن آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ میں نے کرسی کے دستے کو مضبوطی سے پکڑ لیا کیونکہ کمرہ بڑی تیزی سے گردش کرنے لگا تھا۔

www.taemeernews.com

انکشاف

ایلس کی چھٹیاں شروع ہونے والی تھیں اور میں ہول رہا تھا کہ وہ چلی گئی تو دفتر کا کام تو ٹھپ ہو کر رہ جائے گا یا کم از کم میں تو بالکل مفلوج ہو کر رہ جاؤں گا، کسی سے رابطہ کرنا ہوتا، کوئی کارروائی کرنی ہوتی، کہیں جانا ہوتا، کوئی مسئلہ درپیش ہوتا، کوئی گفت وشنید کرنی ہوتی، ایلس کی موجودگی ضروری تھی اور اکثر مسئلہ یوں چٹکی بجاتے حل ہوتا کہ میں حیرت زدہ رہ جاتا۔

کسی یورپی شہر میں میری تعیناتی کا یہ پہلا موقع تھا اور میرے پیش رو نے دفتر میرے حوالے کرتے ہوئے ایلس کو خصوصی طور پر میرے چارج میں دیا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ ایلس کی مدت ملازمت اس دفتر میں دو سال ہو چکی ہے اور تیسرے سال کے لئے معاہدہ کی تجدید کی تاریخ آنے والی ہے۔ اگر میں چاہوں تو معاہدے کی تجدید کروں ورنہ اسے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا البتہ مجھے ہی کسی بہتر متبادل کی تلاش میں تگ ودو کرنی پڑے گی اور عین ممکن ہے کہ ایلس سے بہتر اسٹاف کی دستیابی نہ ہو سکے۔

اس نے ایلس کی تعریف کے پل باندھ دیئے تھے کہ دفتری کام کی مہارت کے علاوہ وہ نجی معاملات میں بھی بہت حد تک معاون ہوگی اور قدم قدم پر رہنمائی بھی کرے گی کیونکہ مستقل

www.taemeernews.com

رہائش کے سلسلے میں یہاں ابتدا میں کاغذی کارروائی اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ انسان بوکھلا کر رہ جاتا ہے۔

میں یوں بھی یہاں اجنبی تھا اور مجھے قدم قدم پر رہنمائی کی ضرورت تھی۔ اس لئے ایلس کی ملازمت کی مدت میں، میں نے توسیع کر دی اور یہ میرے لئے بڑا فائدہ مند ثابت ہوا۔

یہاں ملازمت کے اوقات کار کی بڑی سختی سے پابندی کی جاتی تھی لیکن ایلس کے ساتھ ایسا نہیں تھا۔ اوقاتِ کار کے دوران ایسا لگتا کہ اسے دفتری معاملات کے علاوہ کسی دوسری چیز سے قطعی دلچسپی نہیں ہے اور اوقاتِ کار کے بعد، جب دوسرے ملازمین ہاتھ جھاڑ کر، 'سی یو ٹو مارو' کہتے ہوئے دفتر سے نکل جاتے تو وہ میرے کمرے میں آ جاتی اور پھر دفتری معاملات کے علاوہ بھی بے شمار موضوعات پر گفتگو ہوتی۔

میرے تمام معاملات کو اس نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا اور مسئلے تیز رفتاری سے حل ہوتے جا رہے تھے۔

کچھ ہی دنوں میں ہم دونوں بے تکلف ہو گئے۔ اس کا زیادہ تر وقت میرے ساتھ ہی گزرتا، اوقاتِ کار کے علاوہ کام کرنے کی اجرت اس نے کبھی طلب نہیں کی۔ میں جب تک دفتر میں بیٹھتا وہ میرے اردگرد موجود رہتی۔ دفتر کے بعد ایسا لگتا کہ وہ مزید میرا ساتھ دینے کے لئے میری دعوت کی منتظر ہے اور یوں دفتر کے بعد کے اوقات میں بھی ہم دونوں کا ساتھ رہتا۔

اس کی بس ایک شرط تھی کہ اس کے ویک اینڈ کی مصروفیت میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ اپنا ویک اینڈ وہ اپنے طور پر گزارتی تھی اور کبھی کبھی میرے ساتھ بھی۔ میرے ساتھ نہ ہونے کی صورت میں اگلے روز مزے لے لے کر اپنے گزارے گئے اوقات کی روداد سناتی اور پھر اگلے ویک اینڈ کی پلاننگ شروع ہو جاتی۔

اس کی گفتگو سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اپنی ماں سے بے حد پیار کرتی ہے کیونکہ گھوم پھر

www.taemeernews.com

کراس کی گفتگو کا رخ ماں کی طرف مڑ جاتا۔اس نے اپنی ماں کا ذکر تھوڑے ہی دنوں میں اتنی بار کیا کہ میرے ذہن میں اس کی ماں کی طبیعت،اس کا مزاج،اس کے عادات واطوار سب واضح ہو گئے،لیکن اس کے خدوخال پھر بھی واضح نہیں ہو رہے تھے۔

ایلس کی عمر بتیس سال تھی،اس طرح اس کی ماں کی عمر پچاس پچپن کے درمیان تو یقیناً رہی ہوگی لیکن ایلس نے اس کے مزاج اور اطوار کے مطابق جو کچھ بتایا تھا اس کی روشنی میں اس کی عمر کا صحیح تعین نہیں ہو پا رہا تھا۔

ایلس کے مطابق اس کی ماں نے ایک کے بعد ایک کئی شادیاں کی تھیں۔وہ خود اپنی ماں کے چوتھے شوہر کی بیٹی تھی اور جب کبھی وہ یوں گویا ہوتی.....

''میرے ایک باپ نے کل مجھے کھانے پر بلایا ہے یا میرا ایک باپ کل ملا تھا اس نے بتایا کہ.....''

تو میری ہنسی چھوٹ جاتی اور وہ خود بھی کھلکھلا کر ہنس پڑتی۔

اسے ہماری روایتوں کا بھی علم تھا۔میرے پیش رو کے ساتھ ہی وہ دو سال سے زیادہ کام کر چکی تھی اور اس سے بے تکلف بھی تھی۔اِن دنوں اس کی ماں اسپین میں اپنے پارٹنر کے ساتھ مقیم تھی،ایلس کو معلوم نہیں تھا کہ اس نے شادی بھی کر لی یا نہیں۔

کبھی کبھی اپنی ماں کے ساتھ یا اس کے غائبانے میں وہ اپنی ماں کے گھر ہی رہائش پذیر ہو جاتی۔اس طرح مکان کی دیکھ بھال بھی ہو جاتی اور اپنے مکان کے کرائے کی ادائیگی سے بھی بچ جاتی۔یوں اس کا ایک ویک اینڈ زیادہ خوشگوار ہو جاتا یا چھٹیاں گزارنے کے لئے اچھی رقم پس انداز ہو جاتی۔

ایلس بار بار مجھ سے کہتی کہ وہ مجھے اپنی ماں سے ضرور ملوائے گی۔تقریباً چار مہینے کے قیام کے بعد اس کی ماں اسپین سے واپس آ گئی.....تنہا.....

اس نے وقت مقرر کر کے مجھے اپنی ماں سے ملوایا اور میں حیرت زدہ رہ گیا۔

www.taemeernews.com

بظاہر وہ چالیس سال کے پیٹے میں لگتی تھی۔ گفتگو بے حجابانہ اور بے تکلفانہ کرتی تھی، دلچسپی سے بھرپور۔ چند لمحوں میں وہ مدمقابل کی مزاج شناس بن جاتی اور پھر اسی کے مزاج کے مطابق باتیں کرتی تھی۔ اس کی یہ خصوصیت ایلس نے بھی بتائی تھی۔

''میں لیزا ہوں..... اس بدقسمت ایلس کی ماں جس نے اب تک ایک شادی بھی نہیں کی.....''

اس نے ایک کھنکھناتا ہوا قہقہہ لگایا۔ اس کی آواز بھی اس کے خدوخال کی طرح جاندار تھی..... بڑی خوداعتماد اور بیک وقت پروقار اور شوخ۔ پہلی ملاقات میں گفتگو کا مرکز زیادہ تر ایلس ہی رہی۔

''یہ شادی سے خوفزدہ رہتی ہے حالانکہ اسے مجھ سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔'' وہ ہنس کر بولی تھی۔ ''بھئی یہ تو ایک معاہدہ ہے، ملازمت کی طرح..... ایک مخصوص مدت کے لئے بھی کی جا سکتی ہے، مدت کی تجدید بھی کی جا سکتی ہے یا کچھ جرمانہ ادا کر کے معاہدے کو توڑا بھی جا سکتا ہے، ایلس کی خوفزدگی میرے لئے ناقابلِ فہم ہے۔''

لیزا بڑی دلچسپ عورت تھی۔ گفتگو بڑے سلیقے سے کرتی، الفاظ کی موزونیت کا بے حد خیال رکھتی اور الفاظ کی ادائیگی اس طرح کرتی جیسے وہ ان الفاظ کی معنویت سے پوری طرح آگاہ ہے۔

ایلس نے بتایا تھا کہ ان سب باتوں کے باوجود وہ بہت متلون مزاج ہے۔ غیر مستقل مزاج اور تنک مزاج۔ دوستی قائم کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی لیکن کوئی بات مزاج کے خلاف ہو جائے اور اس کے ذہن میں یہ سما جائے کہ دوستی تادیر قائم نہیں رہ سکتی تو وہ بڑے سلیقے سے فضا کو ناخوشگوار بنائے بغیر آہستگی سے علیٰحدگی اختیار کر لیتی ہے۔ جب وہ تنہا ہوتی ہے تو سال میں ایک مرتبہ اپنے تمام ہم وطنوں کی طرح ملک سے باہر، کسی گرم سمندر کے ساحل پر اپنی چھٹیاں گزارنے ضرور جاتی ہے لیکن دوسری مرتبہ وہ کسی اور مقام کا تعین کرتی ہے۔ وہ بڑے فخر سے بتاتی تھی.....

www.taemeernews.com

''میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے، مجھے یاد نہیں کہ اپنی چھٹیاں گزارنے میں کسی ایک مقام پر دوبارہ گئی ہوں، ہر بار نئی جگہ، نئی دلچسپیاں، نئی فضا، نیا ماحول، نئے لوگ.....''

اس لفظ 'نئے لوگ' کو وہ بار بار دہراتی اور کھنکھناتا ہوا قہقہہ لگاتی اور میں نظریں جھکا لیتا تو ایلس بھی ہنس پڑتی۔

''کوئی بات نہیں.....تم میرے لئے 'نئے لوگ' نہیں ہو سکتے، تم ایلس کے دوست ہو۔''

پھر وہ ایلس کو مخاطب کر کے کہتی.....

''ایلس اسے سنبھال کر رکھو ورنہ میں اسے اغوا کرلوں گی، یہ زیادہ مضبوط شخص نہیں ہے۔''

پھر ماں بیٹی میں خوشگوار نوک جھونک شروع ہو جاتی دو بے تکلف سہیلیوں کی طرح۔ان دونوں کی نوک جھونک چونکہ میرے حوالے سے ہوتی اس لئے میری دلچسپی برقرار رہتی۔

لیزا بہت مصروف ہوگئی تھی اس لئے میری ملاقات کم ہی ہوتی۔اس کی چھٹیاں شروع ہونے والی تھیں اس لئے اس نے اپنے اوقات کار بڑھا لئے تھے تاکہ زیادہ سے زیادہ رقم پس انداز کر سکے۔

اس بار اس نے آبنائے باسفورس کا انتخاب کیا تھا، وہاں کے ساحل اور کشتی رانی وغیرہ کے متعلق معلومات حاصل کی تھیں، اس کا ارادہ تھا کہ پوری چھٹیاں کرائے پر حاصل کی گئی کشتی میں گزارے۔

لیزا اپنی چھٹیاں گزارنے چلی گئی تو ایلس پھر اس کے گھر منتقل ہوگئی۔ایلس کے شب و روز ویسے ہی تھے۔اوقات کار کے بعد میرے ساتھ وقت گزارنا، ڈنر کرنا اور پھر اپنے گھر چلے جانا، ویک اینڈ وہ اپنے انداز سے انجوائے کرتی۔

لیزا واپس آئی تو ایلس کو گفتگو کا نیا موضوع مل گیا۔لیزا اپنے تجربات ایلس کو بڑی تفصیل سے سناتی اور ایلس مجھے منتقل کر دیتی۔

www.taemeernews.com

''یہ میرے لئے بھی نیا تجربہ ہے۔'' ایلس نے بتایا۔ ''ماما کہتی ہے کہ اگلی چھٹیوں میں وہ پھر آبنائے باسفورس کا ہی انتخاب کرے گی، وہ بہت خوش ہے۔ ماما کہتی ہے کہ اس بار اس کا تجربہ بالکل مختلف تھا اور یہ کہ اس نے اب تک اپنا وقت برباد کیا، اس جگہ کا انتخاب اس نے پہلی بار کیوں کیا، وہ جگہ تو بار بار جانے کی ہے..... اس نے مجھ سے بھی کہا ہے کہ میں چھٹیوں میں وہیں جاؤں..... جگہ نسبتاً کم خرچ بھی ہے اور..... اور.....''

ایلس ہنس ہنس کر لیزا کے تجربات بیان کرتی اور اس نے وہیں جانے کے لئے اپنے ذہن کو آمادہ کرلیا۔ میرے اصرار پر اس نے اپنی چھٹیوں کی مدت بیس دن سے کم کر کے پندرہ دن کردی۔

یہ پندرہ دن گزارنا بھی میرے لئے مشکل ہوگیا۔ میں دفتر اور دفتر سے باہر اس کا عادی ہو چکا تھا۔ کوئی مشکل درپیش ہوتی تو میں بوکھلا جاتا کہ ایلس کی غیر موجودگی میں اس سے کس طرح نبٹا جا سکے گا۔ زیادہ تر کام ملتوی کر دیئے کہ کسی طرح پندرہ دن کی مدت ختم ہو اور ایلس واپس آجائے پھر ملتوی شدہ کام کو سرانجام دے دیا جائے گا۔

وہ واپس آئی تو مجھے اس میں کچھ تبدیلی محسوس ہوئی۔ میں نے اس سے چھٹیوں میں گزارے گئے اوقات کے بارے میں پوچھا تو اس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ سی پھیل گئی۔ میرے ساتھ ڈنر کرتے ہوئے وہ گم سی ہو جاتی اور مجھے اس کو جھنجھوڑنا پڑا۔

''بھئی مجھے بتاؤ کہ آبنائے باسفورس میں ایسی کیا خاص بات ہے۔ لیزا بھی وہاں کی دیوانی ہو بیٹھی اور تم بھی واپس آئی ہو تو مجھے لگتا ہے کہ تم اسی جگہ کی اسیر ہو کر رہ گئی ہو۔''

''آبنائے باسفورس میں کچھ نہیں ہے۔'' وہ کھوئے ہوئے سے لہجے میں کہتی۔

ایسے موقع پر وہ خاموش ہو جاتی۔ میں بولتا تو ایسا لگتا کہ میری آواز اس کے کانوں تک نہیں پہنچ رہی ہے۔

www.taemeernews.com

پھر یوں ہوا کہ دفتر میں ٹیلی فون پر اس کی گفتگو طویل ہونے لگی۔ وہ دبی آواز میں گفتگو کرتی، ٹھہر ٹھہر کر، جیسے کسی ناواقفِ زبان سے گفتگو کر رہی ہو۔ میرے ساتھ بھی اس کا وقت کم گزرنے لگا۔ میں اسے چھیڑنے کی کوشش کرتا۔

''کیا تمہیں محبت ہوگئی ہے؟''

''یہ لفظ مجھے اجنبی سا لگتا ہے۔'' وہ کہتی لیکن میں نے محسوس کیا کہ میرے سوال میں اسے ایک لذت سی محسوس ہوئی ہے۔

کئی بار اس کی کال میں نے ریسیو کی۔ دور سے آتی ہوئی آواز کا لہجہ مجھے اجنبی سا لگا۔ ایلس کو کال ٹرانسفر کیا تو بات واضح ہوگئی۔ وہ اس سے دیر تک باتیں کرتی۔ باتیں کرتے ہوئے ایسا لگتا جیسے وہ کسی سحر میں گرفتار ہے۔ میں اپنے کمرے کے شیشے سے اس کی طرف دیکھتا تو اس کی آواز مزید دب جاتی اور وہ کچھ جھینپ سی جاتی۔

''کون ہے وہ؟'' ایک دن میں نے پوچھ لیا۔

وہ کچھ ہچکچائی۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ اس موضوع پر بات کرنا نہیں چاہتی۔ میں نے جواب کے لئے اصرار نہیں کیا۔

اس کا ویک اینڈ اس کے گھر پر گزرتا یا پھر میرے ساتھ۔ اس کی دلچسپیوں کے حدود سمٹتے جا رہے تھے۔ وہ لیزا کو بھی گفتگو میں کم ہی موضوع بناتی۔ اس کے انداز میں، میں نے ایک بیزاری کی سی کیفیت محسوس کی اور اس کی معیت میں مجھے بھی دلچسپی کا عنصر کم سے کم ہوتا محسوس ہونے لگا تھا۔

''ایلس اگر تم چاہو تو مجھے اپنا راز دار بنا سکتی ہو..... ایک دوست کی حیثیت سے..... میرا قیام تو مزید ایک دو سال اور ہے، پھر میں چلا جاؤں گا، تمہیں بلیک میلنگ کا کوئی خطرہ نہیں۔''

''بلیک میلنگ.....'' وہ ہنسنے لگی۔ ''مجھ میں بلیک میلنگ کے لئے کیا رکھا ہے، میں تو بالکل واضح

www.taemeernews.com

ہوں، پوشیدہ رکھنے کے لئے تو کچھ بھی نہیں۔''

بات یہیں ختم ہوگئی۔اس نے کچھ بھی بتانا ضروری نہیں سمجھا لیکن میں نے محسوس کیا کہ دوبارہ اس میں وہی طراری اور شوخی واپس آ رہی ہے۔دفتر کے کام پورے انہماک سے کرتی اور دفتر کے بعد میرے ساتھ زیادہ وقت گزارتی۔

''کل ماما جا رہی ہے.....اپنی چھٹیاں گزارنے.....وہیں.....دوبارہ۔''ایک دن اس نے کہا۔

میرا ماتھا ٹھنکا کہ اس کی چھٹیاں پھر آ پہنچیں۔پندرہ بیس دن اس کے بغیر کام کرنا کتنا دشوار ہوگا۔! کب تک کام ملتوی کرنا پڑے گا اور مجھے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا کہ میں گویا اس کا محتاج ہو کر رہ گیا ہوں۔

ان دنوں اس کے ٹیلی فون بھی کم آنے لگے لیکن مجھے اس میں کسی بے چینی یا اداسی کا شائبہ نظر نہ آیا۔شاید یہ اس لئے ہو کہ وہ خود چند دنوں بعد چھٹیاں گزارنے جانے والی ہے اور روبرو ملاقات کی سبیل نکلنے والی ہے۔

وہ بیس دنوں سے کم کی چھٹی پر آمادہ نہیں ہوئی۔لیزا چھٹیاں گزار کر واپس آئی تو ایلس چلی گئی۔کام اسی طرح ملتوی کیا جاتا رہا۔لیکن واپس آ کر اس نے ملتوی شدہ کام تیزی سے نبٹا دیئے۔

دفتری اوقات کے بعد ہم اکٹھے ہوتے تو وہ ہنستی زیادہ اور باتیں کم کرتی۔چہرہ تمتمایا رہتا اور کچھ خوفزدہ سی بھی رہنے لگی تھی۔میں نے اپنا خدشہ ظاہر کیا تو کہنے لگی۔

''وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔''

''تو اس میں کیا مضائقہ ہے۔شادی ہی تو کرنا چاہتا ہے۔یہ تو خوشی کی بات ہے۔''

''نہیں..... پتہ نہیں کیوں..... مجھے ڈر سا لگتا ہے۔''

''آخر کیوں.....کیسا ڈر.....مرد تمہارے لئے اجنبی تو نہیں ہیں۔''

www.taemeernews.com

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میری بات اسے ناخوشگوار بھی نہیں لگی۔

''لیزا کی چھٹیاں کیسی گزریں، تم نے بتایا نہیں۔'' میں نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

''اچھی گزریں..... لیکن اس نے تیسری بار وہاں جانے کا کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا۔'' وہ ہنسی لیکن اس کی آواز بڑی بے جان تھی۔

''تمہارا تیسری بار جانے کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

وہ کچھ سوچنے لگی۔ پھر میری طرف جھک کر آہستہ سے کہا۔

''وہ یہاں آنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''ٹھیک ہے، میں بھی اس سے مل لوں گا..... اس کے قریب رہ کر تم اس سے شادی کا فیصلہ بھی کر سکو گی۔''

''نہیں، میں شادی نہیں کروں گی۔'' اس نے مضبوطی سے کہا۔

''اگر تم نے فیصلہ کر ہی لیا ہے تو اسے اس فیصلے سے آگاہ کر دو۔''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

''میں یہ بھی نہیں کر سکتی۔''

''کیوں، کیا وہ ناراض ہو جائے گا؟''

''نہیں، وہ مجھے قتل کر دے گا۔''

میں سناٹے میں آ گیا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا، وہ کہیں اور دیکھ رہی تھی۔

دفتر میں تقریباً روزانہ اس کی کال آتی۔ ایلس کوشش کرتی کہ ٹیلی فون کوئی اور اٹھا لے اور پھر اشارے سے کہتی کہ وہ یہاں موجود نہیں ہے۔

ایک دن ٹیلی فون میں نے اٹھا لیا۔ آواز آئی۔ ''یہ میں ہوں۔''

میں نے غور کیا، یہ اسی کی آواز تھی۔ ایلس میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے اسے

www.taemeernews.com

باتوں میں الجھانا چاہا۔

''میں جانتا ہوں ایلس موجود ہے لیکن وہ مجھ سے بات کرنا نہیں چاہتی۔ آپ میری مدد کر سکتے ہیں۔''

''میں تو تمہارا نام بھی نہیں جانتا دوست۔'' میں نے کہا۔

''میں جودت ہوں.....اب آپ نے دوست کہا ہے تو میری مدد بھی ضرور کریں گے۔''

میں نے ایلس کو اشارہ کیا۔ اس نے جھجکتے ہوئے کال لے لی۔

میں ایلس کے چہرے کے آتے جاتے رنگ دیکھتا رہا۔

ڈنر پر اس نے بتایا کہ جودت آنے والا ہے۔

''تم پر آخر اتنی گھبراہٹ کیوں طاری ہے۔ وہ تمہیں کھا جائے گا کیا.....'' میں نے جھلا کر کہا۔

''وہ شادی کے لئے بضد ہے۔ کہتا ہے اگر میں راضی نہ ہوئی تو وہ مجھے قتل کر دے گا اور خود کو بھی مار ڈالے گا۔''

''اسے آنے دو۔ میں بات کروں گا اس سے۔''

کچھ دیر خاموشی رہی۔

''لیزا سے تم نے ذکر کیا؟'' میں نے پوچھا۔

''اما میری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ وہ بس ہنستی ہے۔ کہتی ہے میں اپنے عاشق کا دو سال سے پیچھا کر رہی ہوں اور وہ دامن بچا کر نکل جاتا ہے اور تمہارا عاشق تمہارا پیچھا کرتا ہوا یہاں تک آ پہنچا ہے، تم خوش قسمت ہو۔ ماما بالکل سنجیدہ نہیں ہوتی۔''

آخر وہ دن بھی آ پہنچا۔ میں ایلس کے ساتھ اسے لینے پہنچا۔ ایلس کے ساتھ ہی اسے ٹھہرنا تھا۔ لیزا نے ایلس کو اسے اپنے ساتھ رکھنے کی اجازت دے دی تھی۔

اس نے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔

www.taemeernews.com

''فرینڈ!''

تعارف کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔اس کے پاس بس ایک بیگ تھا جو اس کے کاندھے سے جھول رہا تھا۔ایلس کچھ جھینپی جھینپی سی تھی یا کچھ خوفزدہ سی تھی، مجھے صحیح اندازہ نہ ہو سکا۔گاڑی میں جودت میرے ساتھ ہی بیٹھا اور ایلس پیچھے کی نشست پر بیٹھی۔میں موسم کی باتیں کرتا رہا لیکن جودت بار بار پیچھے مڑ کر ایلس کی طرف دیکھتا رہا۔

تھوڑی ہی دیر میں ایلس کا گھر آ گیا۔

ایلس کے پاس گھر کی چابی تو ہوتی تھی لیکن اس وقت شاید نہیں تھی۔اس نے کال بیل پر ہاتھ رکھا۔میں اور جودت گاڑی سے اتر کر اس کے پاس کھڑے ہو گئے۔چند لمحوں بعد قدموں کی آواز سنائی دی، دروازہ کھولنے والی لیزا تھی۔

لیزا کے چہرے کی رونق اچانک جیسے غائب ہو گئی۔وہ حیرت زدہ سی جودت اور ایلس کو باری باری دیکھتی رہی۔

''جودت..... یہ تم..... یہ تم ہو.....'' لیزا کی آواز بڑی مشکل سے نکلی۔

''ماما..... کیا یہ..... یہی.....!'' ایلس کی آواز بھی لڑکھڑائی۔

مجھے حیرت ہوئی کہ لیزا اسے کس طرح جانتی ہے۔ایلس کا چہرہ سپاٹ تھا اور جودت مسکرانے کی کوشش کر رہا تھا۔پھر اچانک لیزا نے اپنا مخصوص کھنکتا ہوا قہقہہ لگایا اور ایلس اور جودت کی طرف اپنے ہاتھ بڑھا دیئے۔

چند لمحوں میں مجھ پر بہت کچھ منکشف ہو گیا۔ایلس بھی ہنس رہی تھی اور جودت بھی مسکرا رہا تھا۔میں ہی بس احمقوں کی طرح منہ کھولے ان تینوں کو باری باری دیکھ رہا تھا۔

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

وارث لاوارث

''نورامارا گیا،نورامارا گیا،نوراقتل ہوگیا.....''

ایک شور سا اٹھا اور پورا گاؤں حویلی کی چوکھٹ پر جمع ہوگیا۔ مرزا اپنی آرام کرسی سے اٹھے اور برآمدے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ ایک بار ٹھہر کر انہوں نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں مجمع پر ڈالیں تو سرگوشیاں دبتی چلی گئیں اور سناٹا سا چھا گیا۔ اچانک مجمع کو خیال آیا کہ یہ نورا کے مارے جانے کا صحیح وقت نہیں تھا۔ آج صبح ہی صبح تو حویلی کا وارث پیدا ہوا تھا، نورے نے پوری حویلی کو سجا کر چراغاں کرنا تھا، پورے گاؤں میں مٹھائیاں تقسیم ہونی تھیں، دور سے آئے باورچی نے تین لکڑیوں کی آنچ پر پلاؤ پکانا تھا۔ یہ آج.....آج نورا کیوں قتل ہوگیا!

ایک زنانہ چیخ نے ٹہلتے ہوئے مرزا کے قدم روک دیئے۔ انہوں نے آواز کی سمت کا اندازہ لگایا اور زنانخانے کا رخ کیا۔ لالی بے ہوش پڑی تھی۔ کوئی اس کے پاؤں سیدھے کر رہا تھا، کوئی بھنچے ہوئے جبڑوں کو علیحدہ کرنے کے لئے چمچ دانتوں کے درمیان گھسیڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مرزا کو دیکھ کر عورتوں نے لالی کے پیٹ پر اس کا دوپٹہ پھیلا دیا۔

''کیا ہوا اسے.....'' مرزا نے پوچھا۔

www.taemeernews.com

''بھائی کی خبر سن کر سرکار..... بھائی کی خبر سے.....'' کسی نے جواب دیا۔

مرزا اسے دیکھتے رہے۔

''اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارو..... بیمار میاں کو مرتا چھوڑ کر تو خود یہاں آ مری۔ اب بھائی کی موت کی خبر سن کر بے ہوشی کا ڈھونگ رچا رہی ہے!''

مرزا بڑبڑاتے ہوئے پھر مردانے میں چلے گئے۔ انہوں نے عورتوں کو لالی کے پیٹ پر دوپٹہ پھیلاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

لوگ عجیب مخمصے میں تھے۔ نہ گاؤں والے نورے کا ماتم کر سکتے تھے، نہ حویلی والے حویلی کے وارث کی آمد کا جشن منا سکتے تھے۔ حویلی تو گاؤں والوں کا قبلہ تھی اور نورا بھی حویلی کا ایک فرد ہی تھا۔ حویلی میں ہی پلا بڑھا، حویلی کے ہر کام میں دخیل، ہر کام اسی کے سپرد..... مرزا کا تو وہ سایہ تھا۔ مرزا لعلیم کے سلسلے میں شہر گئے تو وہ ہر مہینے ان سے جا کر مل آتا۔ پھر وہ ولایت چلے گئے تو وہ روزانہ ان کے کمرے کی خود صفائی کرتا، ان کے شکار کے سامان کی دیکھ بھال کرتا، ان کے کپڑوں کو دھوپ دکھاتا اور ان ہی کی باتیں کرتا رہتا۔ بڑے مرزا ان کی طرف سے بے حد فکر مند تھے۔ مرزا کے بارے میں اچھی خبریں نہیں مل رہی تھیں۔ ان کی غلط کاریوں کی خبریں بڑے مرزا کو بڑی تشویش میں مبتلا کر رہی تھیں۔ خود بڑے مرزا کی صحت اب ساری جائداد کو سنبھالنے کے لئے ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ مرزا کی طرف سے تشویش نے انہیں بستر سے لگا دیا۔

تین سال کے بعد مرزا جس طرح گئے تھے اسی طرح واپس آ گئے۔ بڑے مرزا کی خواہش تھی کہ مرزا بیرسٹری کی ڈگری لے کر واپس آئیں، لیکن وہ خالی ہاتھ ہی واپس لوٹے۔

مرزا کی واپسی پر سب سے زیادہ خوش نورا تھا۔ وہ ان کی ہر چیز ان کے سامنے رکھتا جاتا۔

''سرکار یہ آپ کی بندوق..... سرکار یہ آپ کا سوٹ..... سرکار یہ مچھلی مارنے کی چرخی..... سرکار یہ..... سرکار وہ.....''

www.taemeernews.com

مرزا مسکرا مسکرا کر سر ہلاتے رہے۔

''ٹھیک ہے نورے، ٹھیک ہے..... سب اپنی اپنی جگہ پر رکھ دے۔ یہ کپڑے تو لے جا، میں نئے کپڑے لایا ہوں ولایت سے۔''

''سرکار، یہ کپڑے میرے کس کام کے۔'' وہ جھینپ گیا۔

مرزا، بڑے مرزا کے پاس کم ہی وقت گزارتے۔ زیادہ وقت نورے کے ساتھ کانا پھوسی میں گزرتا۔ وہ شکار کے پرانے رسیا تھے۔ شکار کے لئے بڑا اہتمام ہوتا۔ چھولداریاں ساتھ چلتیں، کسی مسطح جگہ پر نصب کر دی جاتیں، کئی کئی روز قیام ہوتا..... دن میں شکار اور راتوں میں ہنڈولوں کی روشنی سے سارا علاقہ جگمگا اٹھتا۔ چھولداریاں نصب ہوتے ہی نورا جیپ لے کر کہیں چلا جاتا، واپسی میں راتوں کو پُر رونق بنانے کے سامان ساتھ لاتا۔ ایک چھولداری مرزا کی نجی ضرورتوں کے لئے مخصوص رہتی۔

بڑے مرزا کو اپنے بیٹے کی مصروفیات کا پورا علم تھا۔ وہ نورا کو بلا کر پوچھتے، لیکن وہ بھی ایک کائیاں تھا اور مرزا کا وفادار بھی، جھکائی دے جاتا، لیکن بڑے مرزا کے اور بھی ذرائع تھے۔ انہیں ایک ایک لمحے کی خبر مل رہی تھی۔

بڑے مرزا نے بی بیگم سے کچھ گفت وشنید کی اور پھر دونوں مرزا کا انتظار کرنے لگے۔

اس روز مرزا ایک بہت بڑے دھچکے سے دوچار ہوئے تھے۔ اپنی مخصوص چھولداری سے نکلے تو پسینے میں شرابور تھے۔ سر کے بال بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے تھے، چہرے پر خجالت اور شرمندگی، سارے جسم میں ایک کپکپی سی طاری تھی۔ نورا تو پہرے پر تھا ہی، اس نے مرزا کو اس حال میں دیکھا تو دہل گیا۔

''سرکار.....!'' اس کے منہ سے بس اتنا ہی نکلا۔

مرزا نے اسے اشارے سے بلایا اور خود چھولداری کو کسنے والی رسی کو پکڑے رہے۔

www.taemeernews.com

''جا اسے چھوڑ آ'' مرزا کی زبان لڑکھڑائی۔

''مگر سرکار.....اتنی رات کو.....''

مرزا نے کچھ نہیں کہا۔ ڈگمگاتے ہوئے اپنے خیمے میں جا کر بستر پر ڈھیر ہو گئے۔

صبح تڑکے ہی نورا اپنے کام سے فارغ ہو کر آیا تو مرزا نے واپس چلنے کا حکم دیا۔ حویلی پہنچتے ہی انہیں دوسرے دھچکے کا سامنا کرنا پڑا۔ بڑے مرزا نے انہیں بلایا تھا۔

''بیٹے، مرنے والے کی آخری خواہش پوری کرو گے؟''

ابھی وہ پہلے دھچکے سے ہی سنبھل نہ پائے تھے کہ اس دوسرے دھچکے نے انہیں بالکل ہلا کر رکھ دیا۔ انہوں نے والدہ کی طرف دیکھا، ان کی آنکھوں سے بھی لجاجت برس رہی تھی۔ ان سے انکار نہ ہو سکا۔ انہوں نے بڑے مرزا کے پیروں پر ہاتھ رکھا اور آہستہ سے آواز نکلی۔

''جیسی آپ کی مرضی۔''

بڑے مرزا نے اطمینان کی سانس لی۔ بیگم کی طرف دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کی اور مرزا کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

مہینے بھر میں سب کچھ ہو گیا۔ روشن آرا بیگم کو جس دھوم دھڑکے سے حویلی میں آنا تھا، وہ سب کچھ تو نہ ہوا لیکن بڑے مرزا جو چاہتے تھے وہ ضرور ہو گیا۔، مرزا کے پیروں میں شاید بیڑیوں کی ضرورت نہیں رہ گئی تھی لیکن حویلی کو ان کی ضرورت تھی۔ بڑے مرزا اس کے بعد کوئی سال بھر بستر سے ہی لگے رہے اور پھر مٹی کی نذر ہوئے۔

روشن آرا بیگم چار سالوں کے انتظار کے بعد حویلی کو وارث دے سکی تھیں۔ وہ خود سب کی لاڈلی تھیں، نورا جس طرح مرزا کا سایہ تھا، ان کا بھی سایہ ہو کر رہ گیا تھا۔

''جی مالکن..... ہاں مالکن.....'' وہ ان کی خدمت میں جُتا رہتا۔ اپنی سمجھ کے مطابق انہیں لطیفے سنا کر ہنسانے کی کوشش کرتا، گاؤں کے قصے کہانیاں سناتا، کسی کی پتا، کسی کی کوئی مضحکہ خیز حرکت.....

www.taemeernews.com

اپنے طور پر وہ روشن آرا بیگم کو خوب خوش رکھنا چاہتا تھا۔ اتنی تمناؤں سے تو وہ آئی تھیں، بڑے مرزا کی آخری خواہش کا پیکر بن کر۔

اب مرزا کو بھی شکار سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ ان کا زیادہ وقت جائداد کی دیکھ بھال، حساب کتاب میں ہی گزرتا۔ نورا ان کے قدموں میں بیٹھا رہتا یا حویلی کے کاموں میں مصروف رہتا یا روشن آرا بیگم کی خدمت گزاری کرتا۔ کبھی حویلی میں ہی پڑ رہتا، کبھی گاؤں میں اپنے گھر چلا جاتا۔

مارے جانے کے کچھ دنوں پہلے سے وہ بڑا بیزار بیزار سا رہنے لگا تھا۔ کوئی اس کا سبب پوچھتا تو وہ ٹال جاتا۔ مرزا نے ایک بار پوچھ لیا تو وہ گڑبڑا گیا۔

''سرکار، سوچتا ہوں چچا کے پاس شہر چلا جاؤں۔ وہ اپنے مِل میں کوئی نوکری دلوا دے گا۔ وہیں رہوں گا۔''

''یہاں تجھے کوئی تکلیف ہے؟ کیا کمی ہے تیرے پاس؟''

''سرکار، کمی تو کوئی نہیں۔''

''پھر..... کچھ پیسے چاہئیں، کچھ اور کرنا چاہتا ہے؟''

''نہیں سرکار..... سب کچھ تو دے رکھا ہے آپ نے.....''

''تو یہیں رہے گا اور اگر کہیں گیا تو میں تجھے پاتال سے بھی نکال لاؤں گا۔''

نورے کی بیزار بیزاری کیفیت میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ بڑھتی ہی گئی۔ پھر ایک دن وہ مارا گیا۔ قتل ہو گیا۔ حویلی میں برسوں کی منتوں کے بعد اسی دن ایک نئی زندگی کی چیخ بلند ہوئی تھی۔ نئے وارث کی آمد کی خوشی نورے کے قتل کے صدمے کو نگل گئی اور نورے کے قتل کا صدمہ چھوٹے مرزا کی آمد کی خوشیوں پر سیاہ چادر ڈال گئی۔ نہ جشن منا، نہ سوگ۔

چھوٹے مرزا تو ہر فرد کی آنکھوں کا تارا تھے۔ وہ زمین پر پاؤں رکھتے تو سب کی آنکھیں

www.taemeernews.com

بچھ بچھ جاتیں۔ چند مہینوں بعد لالی کے یہاں مُنّی پیدا ہوئی تو چھوٹے مرزا کو ایک کھلونا مل گیا۔

چند سالوں بعد ان کی تعلیم کے سلسلے میں روشن آرا بیگم فکر مند ہوئیں تو مرزا سے ذکر کیا۔ مرزا نے کوئی توجہ نہ دی۔ انہیں دیکھتے رہے، پھر باہر بیٹھک میں چلے گئے۔ روشن آرا بیگم نے کئی بار ذکر چھیڑا لیکن مرزا کی بے توجہی میں کوئی فرق نہ آیا۔ پھر روشن آرا بیگم نے اپنے بھائی کو بلوا بھیجا۔ وہ کچھ دنوں یہاں رہ کر چھوٹے مرزا کو، مرزا کی اجازت سے اپنے ساتھ لے گئے۔ سال سال بعد چھوٹے مرزا حویلی آتے تو حویلی روشنی سے بھر جاتی۔

چھوٹے مرزا کے ماموں جان ان کے بارے میں کچھ اچھی خبریں نہیں دے رہے تھے۔ تعلیم بس یوں ہی گھسٹ گھسٹ کر ہو رہی تھی لیکن روشن آرا بیگم مطمئن تھیں۔ کم از کم یہاں سے تو بہتر ہی صورت ہوگی۔ چھوٹے مرزا نے کالج کی تعلیم کسی طرح مکمل کر لی تو مستقل طور پر حویلی واپس آ گئے۔

روشن آرا بیگم نے مرزا سے انہیں ولایت بھیجنے کی بات کی تو ایسا لگا کہ انہوں نے بطخ پر پانی ڈال دیا ہو۔ وہ ٹہلتے رہے، تیز تیز قدموں سے، ایک جھرجھری سی لی اور پھر مردانے میں چلے گئے۔

چھوٹے مرزا کو مزید تعلیم سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ انہوں نے اپنے لئے کئی نورے سدھا لئے تھے۔ انہیں ساتھ لیتے اور شکار کے لئے نکل جاتے۔ کئی کئی دنوں بعد واپس لوٹتے۔ مرزا سے ان کا سامنا کم ہی ہوتا۔ سامنا ہو بھی جاتا تو وہ کترا کر نکل جاتے۔ مرزا کے رویئے میں بھی کسی خسارے کا شبہ نہ تھا۔ وہ اپنے کام میں مصروف رہتے۔ جب تھکن سے بری طرح چور ہو جاتے تو زنانخانے کا رخ کرتے۔ اس وقت تک زنانخانے میں سناٹا چھا چکا ہوتا اور اکثر روشن آرا بیگم بھی سو چکی ہوتیں۔

چھوٹے مرزا کو حویلی یا جائداد کے کاموں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ مرزا نے بھی انہیں اس طرف راغب کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ لیکن انہوں نے محسوس کیا کہ کچھ دنوں سے چھوٹے

www.taemeernews.com

مرزا شکار یا سیر سپاٹے میں کم دلچسپی لینے لگے ہیں اور ان کے قریب آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اکثر بیٹھک میں وہ خاموشی سے آکر بیٹھ جاتے۔ تھوڑی دیر بیٹھتے، ان کی طرف بار بار نظریں اٹھاتے، پھر چلے جاتے۔ مرزا کو ایسا لگتا کہ چھوٹے مرزا کچھ کہنا چاہ رہے ہیں لیکن انہوں نے کبھی ان کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ ایک بار وہ خود ہی ہمت کر بیٹھے۔

''میں ولایت جانا چاہتا ہوں۔''

مرزا نے ان کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔ ''کس لئے.....؟''

''جی.....مزید تعلیم کے لئے.....'' چھوٹے مرزا بمشکل کہہ سکے۔

''اچھا.....'' مرزا نے کہا اور خاموش ہو گئے۔

یہ خاموشی چھوٹے مرزا پر بہت گراں گزر رہی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ اپنی روانگی یا وہاں کے قیام کے سلسلے میں کچھ نکات زیر گفتگو لائیں لیکن مرزا کی خاموشی کا وہ کوئی توڑ تلاش نہ کر سکے۔

اس روز مرزا نے زنانخانے کا رخ کیا تو ان کی خواب گاہ سے کوئی خادمہ اپنے دوپٹے سے ناک پونچھتی ہوئی باہر نکل رہی تھی۔ انہوں نے ایک نظر اس کو دیکھا اور پھر روشن آرا بیگم کی طرف۔

''یہ لالی کی بیٹی ہے، نورے کی بہن لالی کی بیٹی.....مُنیا۔''

مرزا کی تشفی نہیں ہوئی۔ اتنی رات گئے جب پوری حویلی سو چکی ہوتی ہے، بلکہ روشن آرا بیگم بھی اکثر سوئی پڑی ملتی ہیں، اس خوابگاہ میں اتنی ہلچل سی کیوں ہے!

''میں نے آپ سے چھوٹے مرزا کے لئے بات کی تھی کہ انہیں تعلیم کے لئے ولایت بھیج دیں۔''

مرزا مزید چونکے۔ یہ کون سا موقع تھا اس بات کا۔ ابھی تو منیا کے بارے میں ہی ان کی تشفی نہیں ہوئی تھی۔

''یہ لالی کی بیٹی یہاں کیا کر رہی تھی اس وقت۔ وہ شاید رو بھی رہی تھی۔''

روشن آرا بیگم نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا۔

www.taemeernews.com

''میں چھوٹے مرزا کی بات کر رہی تھی.....'' انہوں نے بالآخر کہا۔

''میں اس لالی کی بیٹی کی بات کر رہا ہوں۔'' انہوں نے سختی سے کہا۔

''چھوٹے مرزا کو.....'' روشن آرا بیگم نے کہنا چاہا۔

''وہ کہیں نہیں جائیں گے۔ کوئی فائدہ نہیں۔'' مرزا کا لہجہ زیادہ سخت ہو گیا۔

''آپ کو کچھ کرنا پڑے گا مرزا صاحب۔''

مرزا سوالیہ نظروں سے روشن آرا بیگم کو دیکھتے رہے۔

''کچھ کیجئے۔ چھوٹے مرزا کو ولایت بھیج دیجئے۔'' روشن آرا بیگم کے لہجے میں لجاجت تھی۔

مرزا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ کچھ اور بھی سننے کے منتظر ہیں۔

روشن آرا بیگم نے نظریں اٹھائیں اور پھر جلدی سے بول پڑیں۔

''لالی کی بیٹی..... منیا..... ماں بننے والی ہے۔''

مرزا کو تمام باتوں میں ربط تلاش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ ان کے ہونٹوں پر ایک زہریلی سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ روشن آرا بیگم کی نظریں جھک گئیں۔

''چھوٹے مرزا کو.....'' ان کی آواز حلق میں اٹک گئی۔

''یہ حل نہیں ہے۔'' مرزا نے فیصلہ سنا دیا۔

''تو پھر..... آپ کو ہی کچھ کرنا پڑے گا..... آپ ہی کچھ کر سکتے ہیں.....'' روشن آرا بیگم کی لرزتی ہوئی آواز حلق میں ہی گھٹ کر رہ گئی۔

مرزا نے آگے بڑھ کر ان کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''آپ آخر مجھ سے کتنے قتل کروائیں گی روشن آرا بیگم!'' ان کی آواز میں جیسے سانپ کی پھنکار تھی۔

روشن آرا بیگم نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیا۔ پھر بھی ان کی بھنچی ہوئی سسکیوں کی آواز حویلی میں دور دور تک پھیل گئی۔

✿✿

www.taemeernews.com

ایک بہت لمبی رات

کمال الدین صاحب کے ہاتھ میں بیٹے کی تقرری کا پروانہ آیا تو ان کے سارے جسم میں عجیب سنسنی سی دوڑ گئی۔ ملازمتوں کے اس قحط میں بس امتحان دیا، انٹرویو ہوا اور ملازمت کا پروانہ گھر بیٹھے پہنچ گیا۔ انھوں نے خط کو پڑھا، بار بار پڑھا، زنانخانے کا رخ کرنے سے پہلے پھر پڑھا اور دھم سے بیٹھ گئے۔ تقرری کے ساتھ ساتھ تعیناتی کے مقام کا ذکر بھی خط میں موجود تھا، جس کی طرف بہت دیر میں دھیان گیا۔ آدی باسیوں کے علاقے میں وہ خود بھی ملازمت کے سلسلے میں مقیم رہ چکے تھے۔ یہ آدی باسی جو بظاہر بڑے خونخوار اور جنگجو لگتے تھے، اندر سے بے حد معصوم اور بھولے بھالے تھے۔ ان کی بس ایک ہی کمزوری تھی کہ ان کی ننگ دھڑنگ یا نیم برہنہ عورتوں کی طرف کوئی اوچھی نظروں سے نہ دیکھے۔ نوجوان لڑکیاں تو کمر کے ساتھ ساتھ سینہ بھی ڈھانپ لیتیں لیکن ادھیڑ یا زیادہ عمر کی عورتیں تو گز بھر کپڑا کمر کے گرد لپیٹ کر ستر پوش ہو جانے کو کافی سمجھتیں۔

کمال الدین صاحب اپنی جوانی میں ان علاقوں میں تعینات رہ چکے تھے اور انھیں معلوم تھا کہ وہاں قیام میں کس طرح کی مشکلات پیش آتی ہیں۔ وہ خود بھی کئی بار لڑکھڑائے تھے لیکن گرنے سے پہلے سنبھل جاتے تھے۔ وہ جانتے تھے خود کو سنبھالنا کتنا دشوار تھا۔ وہ کافی دیر تک

www.taemeernews.com

اپنے خیالوں میں کھوئے رہے، پھر زنانخانے کا رخ کیا۔

''حسن، لو تمہارا خط آیا ہے۔''

انھوں نے اپنے بیٹے کو مخاطب کیا لیکن ان کے لہجے کی کپکپاہٹ کسی سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ ان کے چہرے پر سب کی نظریں جم گئیں، وہاں ایک اسرار بھی تھا اور تمتمایا ہوا چہرہ جیسے کوئی اچھی خبر سنا رہا تھا۔

سب ان کے گرد جمع ہو گئے۔ حسن نے خط لیا، پڑھا اور اس کی انگلیاں بھی کانپنے لگیں۔

''ابّا.....ابّا یہ تو.....''

''ہاں بیٹا، یہ تمہاری تقرری کا پروانہ ہے.....مبارک ہو۔''

حسن کی اماں نے بڑھ کر بلائیں لیں۔ سب کے چہرے خوشیوں سے گلال ہو گئے۔ کئی سوالات فضا میں اچھلے جن کے جواب کمال الدین صاحب دیتے رہے۔ لیکن شاید کسی انجانے خوف کا اثر تھا کہ کھل کر بات نہیں کر پا رہے تھے۔ ان کی بیگم نے اسے محسوس کر لیا لیکن اس بارے میں اس وقت انھوں نے کوئی بات کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

اگلے دن سے ہی حسن کی روانگی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ نیا بستر بند اور چمڑے کا سوٹ کیس خریدا گیا۔ دفتر کے کپڑوں سے لے کر سونے کے کپڑے تک دھل دھلا کر سیٹ کر دیئے گئے۔ کمال الدین صاحب اپنا زیادہ وقت بیٹے کے قریب ہی گزارتے اور ایسا لگتا کہ وہ کچھ کہنا چاہ رہے ہوں لیکن کھل کر کہہ نہیں پا رہے ہوں۔

روانگی کے وقت انہوں نے اسے تمام راستوں سے آگاہ کیا۔ ٹرین سے کس اسٹیشن پر اترنا ہے، وہاں سے کون سی بس لینی ہے، کہاں اترنا ہے، سامان کے لئے مزدور کتنے پیسے لے گا اور وہ کس طرح تعیناتی کی جگہ تک پہنچائے گا۔ اس کے ساتھ ہی وہ کچھ ایسی باتیں بھی کہہ گئے کہ حسن شرمایا بھی اور سوچ میں بھی پڑ گیا۔

www.taemeernews.com

''ان آدی باسیوں کو حقیر مت سمجھنا۔ وہ بڑے معصوم سے لوگ ہیں۔ جسم کا کوئی حصہ ایک کپڑے کے ٹکڑے سے ڈھک گیا تو ٹھیک ہے، ورنہ انھیں اس کی بھی پرواہ نہیں..... وہ اپنے مخصوص رسم ورواج کے ساتھ انتہائی قناعت کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ تمہیں ان کے رکھ رکھاؤ سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے۔ کوشش کرنا کہ تمہاری نظریں نیچی رہیں اور ہمیشہ لنگوٹ بندر ہنا..... تم پڑھے لکھے ہو، تم سمجھ سکتے ہو کہ اچھا کیا ہے اور برا کیا..... وہ بے چارے تو تعلیم وتہذیب سے بے بہرہ ہیں، انہیں غلط اور صحیح کی کیا تمیز.....''

حسن سر جھکائے ابا کی باتیں سنتا ہوا ٹرین میں سوار ہوا۔ تمام راستے ابا کی باتیں اس کے ذہن میں گونجتی رہیں۔ اس انداز میں انھوں نے کبھی بھی اس سے باتیں نہ کی تھیں۔ بار بار جیسے وہ آنے والے خطرات سے آگاہ کر رہے تھے۔ اسے حیرت بھی ہو رہی تھی کہ آخر انھوں نے اس سے اتنے تنبیہی انداز میں کیوں باتیں کیں۔ اس نے تو کبھی کسی شکایت کا موقع نہ دیا تھا۔ وہ قصبے کے چند نیک نام نوجوانوں میں سے ایک تھا۔ اس کا رویہ ہمیشہ ایسا رہا کہ کبھی کوئی انگلی اس کی طرف نہ اٹھنے پائی۔

ٹرین سے اتر کر بس میں سوار ہوا تب بھی اس کے ذہن میں ابا کی ہی باتیں گونجتی رہیں۔ بس سے اتر کر اپنے سامان کے لئے اس نے ادھر ادھر دیکھا تو کئی آدی باسی اس کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ کمر کے گرد گز بھر میلا سا کپڑا لپٹا ہوا۔ چند عورتیں بھی تھیں جن میں سے صرف ایک عورت ایسی تھی جس نے اپنی چھاتیاں بھی ڈھک رکھی تھیں ورنہ دوسری عورتوں نے صرف کمر کے گرد ہی کپڑا لپیٹ رکھا تھا۔ اس نے ایک مرد کو اشارہ کیا جس نے تیزی سے بڑھ کر اس کا سامان اٹھا کر سر پر رکھ لیا اور ایک طرف بڑھ گیا۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ اس نے مزدور کو کوئی پتہ نہیں بتایا تھا اور بتانے کی کوشش کی تو مزدور نے یوں اشارہ کیا جیسے وہ جانتا ہو کہ اسے کہاں جانا ہے۔

www.taemeernews.com

کافی دیر تک وہ کچے راستے پر چلتے رہے۔ زمین پتھریلی تھی۔ تھوڑی تھوڑی دور پر پتھریلے ٹیلے سے نظر آ رہے تھے لیکن سبزے کہیں کہیں ہی نظر آتے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک زرد کمپاؤنڈ سا نظر آنے لگا۔ یہی اس کا منزلِ مقصود تھا۔ یہ بہت بڑا احاطہ تھا جس میں ایک طرف دفتر کی عمارت تھی اور دوسری طرف رہائشی چھوٹے چھوٹے کوارٹرز تھے۔ اس نے دفتر کے پاس پہنچ کر مزدور سے سامان رکھوایا اور اسے وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کر کے دفتر کی عمارت میں داخل ہو گیا۔ تقرری کے خط کے مطابق اس نے اپنے افسر کو رپورٹ کرنا تھا۔ وہ انہی کے کمرے کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ایک میز کے پیچھے ایک بھاری بھرکم شخص بیٹھا تھا، ایک طرف سادہ سی ساڑی میں ملبوس ایک خاتون بھی بیٹھی تھیں۔

''مسٹر حسن کمال!'' اسی بھاری بھرکم شخص نے آواز دی۔

''جی سر..... میں حسن کمال.....'' وہ گھبرا سا گیا۔

''آیئے آیئے۔ اندر آ جایئے۔ ہمارا اندازہ تھا کہ آپ آج پہنچنے والے ہیں۔ آیئے، بیٹھیے۔'' اس نے حسن کو میز کے ایک طرف پڑی خالی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''میں ہی دینا ناتھ پانڈے ہوں، یہاں کا انچارج۔ ان سے ملیے، یہ روپا مکرجی ہیں۔ آپ ان ہی کے سیکشن میں کام کریں گے۔''

اس نے آداب کرنے کے انداز میں ہاتھ اٹھایا تو روپا مکرجی نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ اس نے آہستگی سے اس سے ہاتھ ملایا۔

''حسن، یہ کیسے مُردوں کی طرح ہاتھ ملاتے ہو۔ اچھے خاصے ہٹے کٹے نوجوان ہو۔'' وہ ہنسی۔

حسن نے دیکھا وہ کوئی تیس بتیس سال کی عمر کی قبول صورت عورت تھی۔ کپڑے پہننے کے انداز میں کچھ بے نیازی سی تھی۔ آنچل ڈھلک گیا تو اسے سینے پر برابر کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ لیکن چہرے سے ذہانت اور شوخی جھلکتی تھی۔

www.taemeernews.com

''مسٹر حسن کمال۔'' پانڈے نے ہنستے ہوئے کہا۔''روپا کی باتوں کا برا نہ ماننا۔ یہ فوراً بے تکلف ہو جاتی ہے۔ کچھ ہی دنوں میں آپ کو اس کے انداز کا پتہ چل جائے گا۔''

''حسن، ابھی تو تمہارے کھیلنے کودنے کے دن تھے، نوکری کے چکر میں کہاں پڑ گئے۔'' وہ پھر بولی۔

''جی..... مس مکر جی، بات یہ ہے کہ.....''

''یہ جی جی بالکل نہیں چلے گا۔ اور میرا نام مس مکر جی نہیں، روپا ہے..... روپا.....''

''اچھا مس روپا۔'' وہ آہستہ سے بولا۔

''ارے بابا مس نہیں، بس روپا۔ اگر روپا کہہ کر مخاطب نہیں کیا تو میں تمہارا جینا مشکل کر دوں گی۔''

اس نے جلدی سے سر ہلا دیا۔

''اچھا تو مسٹر حسن کمال.....'' پانڈے نے کہنا چاہا۔

''سر، پھر آپ بھی مسٹر.....'' اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی روپا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''ویری انٹیلیجنٹ۔ تم میری شاگردی میں آ جاؤ، جلد ہی چنٹ کر دوں گی تمہیں۔''

''تمہارے کوارٹر کی چابی یہ رہی۔ روپا تمہیں کوارٹر تک پہنچا دے گی۔ تم جوائننگ رپورٹ لکھ دو اور جا کر آرام کرو۔ کل سے دفتر آ جانا۔''

روپا اس کے ساتھ دفتر سے باہر آئی اور دور ہی سے اس کا کوارٹر دکھایا۔ پھر مزدور کو سامان اٹھا کر اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔

''ابھی چند دنوں تم میرے ساتھ ہی رہو گے۔ کوارٹر میں ضروری سامان لے آنا پھر وہاں جا کر رہنا۔''

وہ کچھ ہچکچایا لیکن روپا کے انداز میں اعتماد بھی تھا اور تحکم بھی۔

اپنے گھر پہنچ کر روپا نے اسے اپنی ماں سے ملوایا لیکن وہ صرف بنگالی بول سکتی تھی۔ باہر کے کمرے میں ایک تخت تھا اور ہر طرف انگریزی، ہندی اور بنگالی زبان کی کتابیں بکھری ہوئی تھیں۔

www.taemeernews.com

''آپ کو..... میرا مطلب ہے پڑھنے کا بہت شوق ہے تمھیں۔''

''میری مجبوری بھی ہے۔ گھر کا کام ماں کرتی ہے، آفس میں کوئی کام نہیں۔ خیالی دورے کی جھوٹی رپورٹیں بنانا اور بس..... باقی سمے کتاب ہے اور ہم ہیں، کیا کروں آخر۔''

اس نے حسن کے سامان کے لئے جگہ بنائی۔ غسل خانے کا راستہ بتایا اور اس کے ساتھ ہی بیٹھ کر کھانا کھایا۔

روپا نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ دفتر میں کوئی کام نہیں تھا۔ جھوٹے دورے کی جھوٹی رپورٹیں لکھنا، ہیڈ آفس سے خط و کتابت کرنا، گپیں ہانکنا اور ہفتے میں ایک بار ہاٹ پر جانا..... تھوڑے سے فاصلے پر ہفتے میں ایک روز ہاٹ لگتا جہاں قریب کے گاؤں سے قبائلی سبزیاں اور مختلف چیزیں لا کر بیچا کرتے۔ دفتر کے تمام لوگ ہاٹ جانا ضروری سمجھتے تھے۔ سبزی، ترکاری اور روزمرہ کی ضروریات کی چیزیں خریدتے اور نظارہ کرتے۔ روپا، حسن کو پہلی بار وہاں لے گئی تو اس کی عجیب کیفیت ہوئی۔ تپے ہوئے تانبے جیسی رنگت کے لوگ، مرد اور عورتیں اور ان کے بھرے بھرے گدرائے ہوئے بدن، جسم کے سارے خطوط نمایاں لیکن وہ لوگ خود ان سب سے بے نیاز، بھولپن سے اپنی چیزیں خریدنے پر سنتھالی زبان میں اصرار کرتی ہوئی..... حسن کے لئے یہ سب کچھ بڑا پراسرار سا تھا۔ زبان اس کے لئے بالکل نئی تھی اور پھر اسے اپنے ابا کی باتیں یاد آنے لگیں..... کوشش کرنا کہ تمہاری نظریں نیچی رہیں اور ہمیشہ لنگوٹ بند رہنا..... اس نے روپا کی طرف دیکھا اور جھینپ سا گیا۔ روپا اسے کہنی مارتی اور ادھر ادھر دیکھنے پر آمادہ کرتی لیکن اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے دیکھ کر جلد ہی ہاٹ سے واپس آ گئی۔

دفتر میں اس کی کیفیت کا ذکر کر کے روپا نے خوب خوب مزے لئے۔ پھر یہ معمول بن گیا۔ ہفتے بھر میں اس کا کوارٹر بھی قابلِ رہائش ہو گیا تھا۔ روپا نے بہت زور دیا کہ وہ کسی سنتھالن کو نوکرانی رکھ لے۔ دو وقت کے کھانے پر کوئی جوان سنتھالن سارے کام کر جایا کرے گی لیکن اس

www.taemeernews.com

نے ایک ادھیڑ عمر مرد کو ترجیح دی۔ وہ ایک ہفتہ روپا کے گھر رہا تھا لیکن اتنی بے تکلفی اور بیباکی سے باتیں کرنے کے باوجود وہ کبھی ایک حد سے نیچے نہیں آئی۔ اگر کوئی سنجیدہ موضوع چھڑ جاتا تو وہ سنجیدہ ہو جاتی اور بے تکان باتیں کرتی۔ دفتر میں بھی کوئی کتاب لے آتی اور اگر کوئی باتیں کرنے والا نہ ہوتا تو پڑھنے بیٹھ جاتی۔ کوارٹر سے دفتر جاتے ہوئے وہ حسن کی طرف آتی اور اس کے ساتھ ہی دفتر جاتی۔

سردی شروع ہو چکی تھی۔ دفتر کے چند افراد کرسیاں باہر نکال کر دھوپ میں بیٹھے تھے۔ انہیں دیکھ کر سب نے نظریں نیچی کر لیں۔

''حسن یہ بڑے شریف لوگ ہیں۔ دیکھو کیسے آنکھیں جھکائے بیٹھے ہیں بے چارے۔''

حسن کو اس میں کوئی خاص بات نظر نہ آئی۔ وہ دونوں ان سے کچھ فاصلے سے آگے بڑھ گئے تاکہ دفتر میں جا کر حاضری لگا لیں۔

''اب ذرا پیچھے مڑ کر دیکھو..... وہ لوگ پیچھے سے مجھے گھور رہے ہوں گے۔''

حسن نے مڑ کر دیکھا۔ وہ لوگ واقعی بڑی ندیدی نظروں سے اسے گھور رہے تھے۔ روپا ہنسنے لگی۔

''بڑے کمزور لوگ ہیں بیچارے۔ سامنے سے گھورنے تک کا حوصلہ نہیں رکھتے۔''

حسن کو اس کی باتیں بڑی عجیب لگتیں۔ دونوں دیر تک باتیں کیا کرتے لیکن دونوں نے کبھی ایک دسرے کے ذاتی حالات جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ایک روز حسن اس سے پوچھ بیٹھا۔

''تم نے شادی کیوں نہیں کی روپا۔''

''یہ اچانک تمھیں کیا ہو گیا حسن۔'' پھر وہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئی۔ ایک سایہ سا اس کے چہرے پر آیا اور گزر گیا۔

''میرے دو بڑے بھائی ہیں۔ ان لوگوں نے شادی کر لی۔ ان کی بیویوں نے ماں کو اپنے ساتھ

www.taemeernews.com

رکھنا گوارا نہیں کیا۔ پھر میرا کیا ہوتا، میں اکیلی کدھر جاتی.....اور اگر میں شادی کر لیتی اور میرے شوہر کو میری ماں کا ساتھ گوارا نہ ہوتا تو پھر کیا ہوتا..... میں نے سوچا ہم ماں بیٹی ساتھ زندگی گزار لیں گی۔''

''اور ماں نے تم سے کبھی کچھ نہیں کہا.....'' حسن نے کریدا۔

''دراصل وہ بھی میرے بغیر نہیں رہ سکتی۔'' اس نے کچھ سوچ کر کہا لیکن ایسا لگا وہ بہت کچھ چھپا بھی رہی ہے۔ پھر جیسے اس کی شرارت کی رگ پھڑک اٹھی۔

''اور اب مجھ سے شادی کون کرے گا؟ اس کا سے گزر چکا.....تم کروگے مجھ سے شادی.....'' وہ زور سے ہنسی۔ ''ارے تم تو شرما گئے۔ میری بات کو سیریسلی مت لیا کرو۔ میں تو بولتی ہی رہتی ہوں۔''

ایک روز دفتر میں بیٹھے بیٹھے روپا کو جانے کیا سوجھی کہ افسر کے سامنے جا کر کھڑی ہوگئی۔

''ہم لوگ روزانہ دورے پر جایا کریں گے۔ پاس پاس کے گاؤں میں اپنا کام کرنے..... بیٹھے بیٹھے تنخواہ لینا اچھا نہیں لگتا.....''

افسر نے اسے دیکھا۔ ''تم ٹھیک کہتی ہو روپا۔ یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔ لیکن تمہارے لئے تنہا جانا ٹھیک نہیں.....تم حسن کو ساتھ لے جایا کرو۔''

اچانک روپا نے دفتر کا ماحول بدل کر رکھ دیا۔ دفتر، دفتر معلوم ہونے لگا۔ اب جھوٹی رپورٹیں نہیں بنتیں۔ فیملی پلاننگ والے اپنے کام میں لگ گئے، ایگریکلچر اور کمیونٹی ڈیولپمنٹ والے اپنے کام میں۔ اب تو رپورٹ لکھنے کے لئے بھی وقت نکالنا مشکل ہو رہا تھا۔

ایک روز دفتر سے واپسی میں انھیں کچھ دیر ہوگئی۔ ایک قبیلے کے سردار نے انہیں کھانے پر مدعو کر لیا۔ انکار ان کی دلآزاری کا سبب ہو سکتا تھا۔ کھانے کے بعد سردار کے کہنے پر قبائلی رقص کا اہتمام بھی ہوا۔ واپسی میں خاصی تاخیر ہوگئی۔ قیام گاہ تک پہنچنے میں رات ہو جاتی۔ راستہ بھی بھٹک

www.taemeernews.com

سکتے تھے۔ روپا نے ایک نئے راستے کا انتخاب کیا۔ تھوڑا سا شارٹ کٹ تھا۔ ایک گاؤں کے بعد پہاڑی نالہ پار کر لینے سے فاصلہ خاصا کم ہوسکتا تھا۔ لیکن پھر بھی کام نہیں بنا۔ انھیں اس گاؤں میں ہی قیام کرنا پڑا۔ یہ نو مسلموں کا علاقہ تھا اور وہ نسبتاً تہذیب یافتہ بھی تھے۔ روپا وہاں کے لوگوں سے واقف تھی۔ اس نے ایک جھونپڑی کا رخ کیا۔ ایک چھدری داڑھی والا شخص لنگی اور بنیان میں باہر نکلا اور روپا کو پہچان کر مسکرایا۔ روپا سنتھالی بول سکتی تھی۔ اس نے وہاں قیام کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور روپا سے کچھ پوچھا، جس کا اس نے شرما کر جواب دیا۔ وہ شاید کچھ انتظام کرنے اندر گیا تو حسن نے اس سے پوچھا۔

''تمہیں پہلی بار میں نے شرماتے ہوئے دیکھا ہے۔''

اس نے عجیب سی نظروں سے حسن کو دیکھا۔

''اس نے پوچھا تھا کہ کیا یہ تمھارا شوہر ہے۔ میں نے ہاں میں جواب دے دیا۔''

''کیوں؟ جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟'' حسن نے پوچھا۔

''یہ مولوی ایک غیر مرد کے ساتھ گھومنے والی عورت کو اپنے یہاں رات گزارنے کی جگہ دے دیتا کیا.....'' روپا نے جھلا کر کہا۔ ''اگر اسے معلوم ہو جائے کہ ہم لوگ میاں بیوی نہیں ہیں تو گاؤں سے نکال دیں گے۔ سمجھے.....''

حسن خاموش رہا۔ مولوی نے چٹائی لا کر بچھا دی۔ پھر ایک دِیا لایا اور ایک عورت نے موٹی موٹی روٹی اور ساگ نما کوئی سبزی لا کر رکھ دی۔ دونوں نے تھوڑا سا کھا لیا۔ تھوڑی دیر بعد مولوی انھیں اندر لے گیا۔ ایک طرف ایک کوٹھری تھی جس میں ایک دِیا جل رہا تھا۔ فرش پر چٹائی تھی، سرہانے ایک تکیہ اور پائنتی ایک موٹا سا کمبل دھرا تھا۔

''اب کیا ہوگا؟'' حسن نے کہا۔

''کیوں، ایک تکیہ، ایک کمبل، ایک چٹائی، ایک کوٹھری اور ہم دونوں.....'' روپا شرارت سے بولی۔

www.taemeernews.com

''مگر ہم سوئیں گے کیسے؟''

''اس تکیے پر سر رکھیں گے اور کمبل اوڑھ کر سو جائیں گے اور کیا.....''

''لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے۔'' حسن پریشان ہوگیا۔ روپا اس کی پریشانی دیکھ کر مسکراتی رہی۔

''پھر تم ہی بتاؤ رات کیسے گزاری جائے؟''

''ایسا کرتے ہیں، تکیے کو درمیان میں رکھتے ہیں اور ہم ایک دوسرے کی طرف پیٹھ کر کے سو جاتے ہیں۔''

''چلو ایسا کر لیتے ہیں۔ میں تو سو جاؤں گی، تمھارا نہیں معلوم۔ مگر نیند میں کوئی گڑبڑ مت کرنا۔ میں بہت گہری نیند سوتی ہوں۔''

روپا نے تکیہ درمیان میں رکھا اور اپنے ہاتھ کا سرہانا بنا کر دیوار کی طرف رخ کر کے لیٹ گئی۔

''دِیا بجھا دینا۔'' اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

حسن کو دیا بجھانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ اس نے اسے سرہانے کی طرف کھسکا دیا تاکہ روشنی آنکھوں پر نہ پڑے۔ ترچھی نظروں سے روپا کی طرف دیکھا اور خود بھی کمبل کا ایک کنارا اپنے اوپر ڈال کر اس کی طرف پیٹھ کر لی۔ ایک طرف لیٹے لیٹے اس کا جسم سُن ہونے لگا۔ پتہ نہیں روپا واقعی سو گئی تھی یا اسی کی طرح آنکھیں بند کئے جاگ رہی تھی لیکن ایک بار روپا نے ذرا کمبل اپنی طرف کھینچا تو اسے دوبارہ کمبل اپنی طرف کھینچنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ اسے روپا کے الفاظ مسلسل پریشان کر رہے تھے..... نیند میں کوئی گڑبڑ مت کرنا، میں بہت گہری نیند سوتی ہوں..... سوتے جاگتے میں بھی اسے احساس تھا کہ رات بہت لمبی ہوگئی ہے۔

صبح منہ پر پانی کے چھپاکے مار کر اور مولوی سے اجازت لے کر دونوں چل پڑے۔ پہاڑی نالے کے پاس پہنچے تو دونوں نے دور تک اس کے کم چوڑے پاٹ کو تلاش کیا۔ بہاؤ بہت تیز تھا اور گہرائی کا اندازہ بھی نہ تھا۔ اس میں اترنے کی بجائے چھلانگ لگا کر پار کرنا ہی زیادہ

www.taemeernews.com

مناسب تھا۔ حسن نے محسوس کیا کہ روپا اتنی لمبی چھلانگ نہیں لگا سکے گی۔

''ایسا کرتے ہیں۔'' حسن نے کہا۔ ''پہلے میں پھلانگتا ہوں، پھر تم پھلانگنا۔ میں تمہیں دوسری طرف سنبھال لوں گا۔ ٹھیک ہے نا؟''

روپا نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

''نہیں، تم رہنے دو..... میں پھلانگتی ہوں، پھر تم پھلانگنا..... میں تمہیں سنبھال لوں گی۔''

''یہ کیسے ہوسکتا ہے۔'' وہ کچھ جھینپ سا گیا۔

''بالکل اسی طرح ہوسکتا ہے..... رات بھر میں تم اتنا سا ایک تکیہ نہیں پھلانگ سکے تو اس نالے کو کیسے پھلانگو گے.....''

روپا آگے بڑھ چکی تھی۔ اس کو روکنے کے لئے حسن کا بڑھا ہوا ہاتھ ہوا میں ہی جھولتا رہ گیا۔

oo

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

وائلڈ لائف

برفباری تھمی تو تیز ہوائیں چلنی شروع ہوگئیں۔ ہواؤں کی سائیں سائیں کھڑکی کی درزوں سے سیٹیاں بجاتی ہوئی گزرنے لگیں۔ پھر بارش شروع ہوگئی اور ہواؤں کا زور ٹوٹا تو دونوں نے ونڈ بریکر جیکٹ چڑھائے اور نکل پڑے۔

سڑک پر میونسپلٹی کی گاڑیاں رنگ برنگی روشنی پھیلائے نمک پاشی کرتی پھر رہی تھیں تاکہ جمی ہوئی برف پگھل جائے اور پھسلن پیدا نہ ہو۔ ڈرائیونگ میں زیادہ دقت پیش نہیں آرہی تھی۔

''یار ہم لوگ کچھ زیادہ جلدی نہیں نکل پڑے؟''

''رضی بھائی تاخیر سے بہتر ہے کہ جلدی پہنچ جائیں۔ یہ مقامی لوگ تاخیر کا بہت برا مانتے ہیں۔''

''تاخیر کا برا مانتے ہیں اور جلدی پہنچنے پر مضحکہ خیز نظروں سے دیکھتے ہیں جیسے کہہ رہے ہوں کہ ان مسکینوں کے پاس کچھ بھی کرنے کے لئے نہیں ہے، ان کے پاس وقت ہی وقت ہے۔'' رضی ہنس پڑا۔

www.taemeernews.com

سلیم خاموشی سے ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے دور دیکھتا رہا۔ ٹنڈ منڈ درختوں پر برف جم کر رہ گئی تھی۔

سڑک پر زیادہ ٹریفک نہیں تھی۔ گاڑی رواں دواں رہی۔ سلیم نے سیٹ بیلٹ ڈھیلا کیا اور پشت کو پیچھے کر کے لیٹ سا گیا۔

''کیا بہت تھک گئے ہو؟'' رضی نے پوچھا۔

''ہاں رضی بھائی..... بہت تھک گیا ہوں۔'' اس کی آواز رندھ سی گئی۔

رضی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ڈرائیونگ کرتا رہا۔

ان کی منزل ایمسٹرڈم سے کوئی ساٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر بسا ایک گاؤں تھا۔

رضی نے کئی موڑ کاٹے اور ایک بنگلے کے سامنے گاڑی پارک کر دی۔

اس نے اتر کر بنگلے کے دروازے کے کال بیل کو بجانا چاہا ہی تھا کہ دروازہ کھل گیا۔ اس نے چونک کر ہاتھ پیچھے کر لیا۔ دراصل اسی وقت دروازہ کھول کر کوئی باہر نکل رہا تھا۔ وہ پیچھے ہٹ گیا۔

''تم..... رازی..... اتنی جلدی آ گئے۔ ابھی تو ہمارے اپائنٹمنٹ میں پچیس منٹ باقی ہیں۔''

اس کی عمر تقریباً پینتیس سال رہی ہوگی۔ اس کے ہاتھ میں کتے کے بیلٹ کا ایک سرا تھا، دوسرے ہاتھ سے اس نے دروازے کو کھینچ کر بند کر لیا۔ اب تھوڑی بہت ڈچ زبان تو سلیم نے بھی سیکھ لی تھی۔ پوری طرح سمجھ سکتا تھا اور کسی طرح اپنا مافی الضمیر بھی سمجھا سکتا تھا۔

''ہاں برینڈا، دراصل برفباری کی وجہ سے ہم جلدی نکل پڑے تھے۔''

''کوئی بات نہیں۔ میں ذرا سیزر کو چہل قدمی کرا لاؤں پھر باتیں کریں گے، اپنے اپائنٹمنٹ کے مطابق۔''

اس نے مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا اور سیزر کو کھینچتی ہوئی ایک طرف چل دی۔

www.taemeernews.com

رضی اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے گاڑی میں بیٹھے ہوئے سلیم کی طرف دیکھا جس کے تیور سے ناراضگی کا اظہار ہو رہا تھا۔

رضی گاڑی میں بیٹھا تو سلیم نے کہا۔

''بہت بدتمیز عورت ہے۔''

''یار غلطی ہماری ہے، ہم اتنی جلدی جو آ گئے۔ یہ ابھی دفتر سے آئی ہوگی، کتے کو ٹہلانا بھی ضروری ہے۔ پھر اسے کھانا کھلائے گی، اپنے کپڑے تبدیل کرے گی پھر بیٹھ کر باتیں کرے گی۔''

''پھر بھی رضی بھائی، یہ ہمیں بیٹھنے کے لئے تو کہہ سکتی تھی۔''

''یار، تم ابھی تک وہیں ہو۔ تمہیں یہاں کی شہریت اختیار کرنی ہے، یہاں کے اطوار بھی سیکھ لو۔ ان لوگوں سے ایسی توقع فضول ہے، یہاں کے طور اطوار مختلف ہیں۔''

سلیم خاموش رہا۔

''چلو کوئی بار دیکھتے ہیں۔''

اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور چل پڑا۔ گاڑی سست رفتاری سے چلتی رہی۔ نہروں میں برف جمی ہوئی تھی اور بچے اسکیٹنگ کر رہے تھے۔

تھوڑی سی تلاش کے بعد ایک بار مل گیا۔ سلیم نے جیکٹ کے اندر ہی اندر ٹٹول کر اپنی جیب کی رقم کا اندازہ لگایا۔

دونوں اندر داخل ہوئے۔ رضی نے اپنے لئے کونیک کا آرڈر دیا اور سلیم کے لئے اسپریسو کافی کا۔

سلیم نے اب تک خود کو الکحل سے بچائے رکھا تھا، شاید اس لئے بھی کہ اسے زیادہ سے زیادہ رقم پس انداز کرنی تھی۔

رضی کو ایسے لوگوں کی تلاش رہتی تھی جنہیں وہ بلیک میل کر سکے یا ان کے کام کرانے کے

www.taemeernews.com

بہانے سے کچھ رقم اینٹھ سکے۔ سلیم کے معاملے میں اس کا رویہ کچھ نرم تھا، رقم کی بجائے وہ کچھ خرچ کرا دینے پر اکتفا کرتا اور ملازمت نہ ہونے کی صورت میں کہیں کام بھی دلوا دیتا۔

رضی نے جلدی جلدی کونیک کے دو پیگ چڑھا لئے۔ سلیم آہستہ آہستہ کافی کی چسکیاں لیتا رہا۔ سلیم نے بارمین کو رقم ادا کی اور دونوں نکل پڑے۔

رضی کی ہدایت کے مطابق سلیم نے ایک خوبصورت سا گلدستہ بھی خرید لیا تھا۔

گاڑی برینڈا کے گھر کے دروازے پر رکی تو پورے ساڑھے چھ بجے تھے، اپائنٹمنٹ کے مطابق۔

رضی نے بیل بجایا اور دروازہ کھل گیا۔ برینڈا نے مسکرا کر ان کا استقبال کیا۔ اس کے انداز میں کسی معذرت کا شائبہ نہیں تھا۔

''برینڈا، یہ سلیم ہے۔ دیکھو تمہارے لئے کتنے خوبصورت پھول لایا ہے۔''

''اوہ ہاں، بہت خوبصورت۔ شکریہ سالم۔''

اس نے سلیم سے پھول لیا اور شیشے کے ایک خالی گلدان میں ڈال دیا۔

''تو تم سالم ہو..... اچھا نام ہے، مجھے بلانے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔''

سلیم مسکرا کر رہ گیا۔

''آؤ بیٹھو۔'' برینڈا نے آرام دہ صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

دونوں کے بیٹھتے ہی وہ خود بھی ان کے سامنے بیٹھ گئی۔

اس کے قریب ہی اس کا کتا بیٹھا تھا جس کی کچھ زیادہ ہی لمبی زبان باہر لٹکی ہوئی رال ٹپکا رہی تھی۔

''تمہارا سیزر بہت خوبصورت ہے۔'' رضی نے کہا۔

''شکریہ رازی۔'' اس نے کہا اور کتے کی گردن پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ ''اگر تم لوگ برا نہ مانو تو میں

www.taemeernews.com

ذرا آرام سے بیٹھ جاؤں، بہت تھک گئی ہوں۔ بات تو پھر بھی ہو سکتی ہے۔''

''ہاں ہاں کوئی حرج نہیں۔'' رضی نے کہا۔

برینڈا صوفے پر تقریباً لیٹ سی گئی۔ اس کے پاؤں کتے کی طرف تھے۔ کتے نے جیسے اشارہ سمجھ لیا تھا، وہ اس کے تلوے چاٹنے لگا اور برینڈا کے چہرے پر سکون سا چھا گیا۔

''رازی، میں نے تمہیں آدھا گھنٹہ دیا ہے، مجھے ابھی اپنے لئے کھانا بنانا ہے، پھر ایک نئی وائلڈ لائف فلم بھی آنے والی ہے ٹی وی پر..... تمہیں شاید نہیں معلوم، مجھے وائلڈ لائف کی فلمیں بہت پسند ہیں، پھر آج ویک اینڈ بھی ہے، تم، سمجھتے ہو نا.....''

''ہاں، میں سمجھتا ہوں۔''

''پھر ہم کام کی بات شروع کرتے ہیں۔ رازی، جیسا میں نے کہا تھا، میرا کام بہت پکا ہوتا ہے۔ پولیس کو شک کرنے کا موقع نہیں دیتی۔ اس لئے پانچ ہزار میں ابھی لوں گی اور پانچ ہزار کام ہو جانے کے بعد۔ سالم میرے لئے ویڈنگ ڈریس بنائے گا اور میں ٹاؤن ہال میں مجسٹریٹ سے وقت لے لوں گی۔ پھر ہماری شادی ہو جائے گی.....'' وہ ہنسی۔'' پھر میں سالم کے لئے مستقل رہائش کا پروانہ حاصل کر لوں گی اور اسے ورک پرمٹ بھی دلوا دوں گی۔ جب تک شہریت نہیں ملتی میں اس سے پانچ ہزار کا مطالبہ نہیں کروں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔''

''ٹھیک ہے..... لیکن اگر کچھ.....'' رضی نے بولنا چاہا۔

''نہیں رازی، اسی طرح ہوگا جس طرح میں کہہ رہی ہوں۔ شادی میں سالم کے اور میرے کچھ دوست احباب بھی شریک ہوں گے۔ ان کے ڈرنک کے اخراجات بھی اسے ادا کرنے ہوں گے، کچھ فوٹو گرافی بھی ہوگی۔ اس کے علاوہ ہر سنیچر کو یہ میرے پاس رہے گا۔ مجھے ڈنر پر لے جائے گا اور میرے ہی گھر پر رات بسر کرے گا، یہاں کی پولیس بہت ہوشیار ہے۔ کبھی کبھی گھر پر اچانک چھاپہ مارتی ہے یہ تصدیق کرنے کے لئے کہ ہم واقعی شادی شدہ ہیں یا نہیں۔ عموماً پولیس توقع کرتی

www.taemeernews.com

ہے کہ میاں بیوی کم از کم ویک اینڈ ضرور ایک ساتھ گزارتے ہیں۔ شہریت ملنے تک یہ ڈرامہ چلتا رہے گا۔''

''اور یہ ڈرامہ کب تک چلانا پڑے گا۔'' رضی نے پوچھا۔

''میں کوشش کروں گی کہ جتنی جلدی ممکن ہو یہ کام ہو جائے۔ لیکن ایک سال تک معاملہ چل سکتا ہے۔''

کتا باری باری اس کے دونوں تلوے چاٹتا رہا، سلیم کو ابکائی سی آ رہی تھی۔

''ٹھیک ہے، سلیم اگلے سنیچر کو رقم لے کر تمہارے پاس آ جائے گا۔ میں اسے مزید باتیں سمجھا دوں گا۔''

''او کے رازی.....'' اس نے گھڑی کی طرف نظر ڈالی۔ ''اور یہ میرا شوہر سالم تو کچھ بولتا ہی نہیں، لیکن کوئی بات نہیں، میں اسے زبان بھی اچھی طرح سکھا دوں گی۔ کہتے ہیں ڈچ زبان سیکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ڈچ عورت سے شادی کر لی جائے۔'' وہ ہنس پڑی۔

رضی بھی ہنس دیا۔ سلیم نے مشکل سے خود کو مسکرانے پر آمادہ کیا۔

دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

''سالم، میں نے تمہیں ڈرنک کے لئے بھی نہیں پوچھا۔ دراصل آج میرے پاس بالکل وقت نہیں، معذرت چاہتی ہوں۔''

''نہیں برینڈا، کوئی بات نہیں، ہم چلتے ہیں۔ اگلے ہفتے میں سلیم کو تمہارے پاس چھوڑ جاؤں گا۔ باقی معاملات تم لوگ خود ہی طے کرتے رہنا۔''

وہ دروازے تک دونوں کو چھوڑنے آئی اور ان کے نکلتے ہی دروازہ بند کر لیا۔

ڈرائیونگ کرتے ہوئے کافی دیر کے بعد رضی نے پوچھا۔

''ہاں سلیم میاں کیا کہتے ہو۔''

www.taemeernews.com

''کچھ نہیں رضی بھائی، آپ نے تو سب کچھ طے کر ہی دیا ہے۔ میں رقم کا انتظام کرلوں گا لیکن رضی بھائی، اب تو میرا کام ہو جائے گا نا.....''

''یار اب شک کی گنجائش کہاں ہے، یہ عورت بہت تیز ہے۔ یہ خود چاہے گی کہ تمہارا کام جلدی ہو جائے تا کہ تم سے طلاق لے کر کوئی نیا مرغا پھانسے۔ اتنی رقم ملازمت کر کے وہ زندگی بھر پس انداز نہیں کر سکتی۔''

اگلے ہفتے وہ رضی کے ساتھ پھر اسی راستے پر رواں دواں تھا۔

رضی نے اس سے وائن کی ایک بوتل بھی خرید وادی تھی تا کہ برینڈا پر اچھا تاثر قائم ہو سکے۔

برینڈا ان کی منتظر تھی۔ رضی اسے چھوڑ کر چلا گیا۔ وائن کی بوتل دیکھ کر برینڈا کھل اٹھی۔

''بہت خوب۔ تم خاصے با اخلاق ہو۔ آج ہم باہر نہیں جائیں گے۔ یہیں سپر اسٹور سے کچھ شاپنگ کریں گے۔ آج تم اپنی پسند کا کھانا بنا کر مجھے کھلاؤ گے۔ ٹھیک ہے نا.....''

سلیم نے رضامندی میں سر ہلا دیا۔

''تم رقم تو لائے ہو گے؟'' برینڈا نے پوچھا۔

سلیم نے پانچ ہزار کا لفافہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''میں نے آج ہی ایک گاڑی پسند کی ہے۔'' اس نے لفافہ کو چومتے ہوئے کہا۔ ''آؤ چلیں۔''

اس نے کتے کے گلے میں بیلٹ باندھی اور دوسرا سرا ہاتھ میں پکڑ کر دروازے کی طرف چل دی۔ سلیم اس کے ساتھ چلتا رہا۔

شاپنگ کے دوران اس نے اپنی ضرورت کی چیزیں بھی ٹرالی میں ڈال دیں۔ سلیم کے اندازے کے مطابق برینڈا نے پورے ہفتے کی شاپنگ اس کے کھاتے میں ڈال دی تھیں۔

یہ سب تو ہو گا.....اس نے سوچا اور رقم ادا کر دی۔

www.taemeernews.com

سلیم نے اپنے اسٹائل کا کھانا بنایا۔ دونوں نے ایک ساتھ بیٹھ کر کھایا۔ مرچوں والے کھانے سے برینڈا کی زبان جلنے لگی اور پورا چہرہ پسینے سے بھیگ گیا لیکن وہ مزے لے لے کر کھاتی رہی اور کھانے کی تعریف بھی کرتی رہی۔

پھر وہ صوفے پر لیٹ گئی اور اپنے پاؤں کتے کی طرف کر دیئے۔ کتا اٹھا، اس کے پاؤں کے قریب آیا اور تلوے پر اپنی بھیگی بھیگی زبان پھیرنے لگا۔

برینڈا نے سلیم کو اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''دیکھو، تمہارے انداز میں اپنائیت اور چاہت ہونی چاہئے۔ ڈرامہ اصل کے مطابق ہو تب ہی کامیاب ہوتا ہے۔ مجھ سے باتیں کرو تا کہ تمہاری زبان رواں ہو۔''

برینڈا نے ٹی وی پر چینل تبدیل کیا، وائلڈ لائف کی فلم آ رہی تھی۔

''دیکھو تم اس پر کمنٹری کرو، ہم دونوں اس پر باتیں کریں گے، میں آواز بند کرتی ہوں۔''

دونوں باتیں کرنے لگے۔ سلیم کو وہ بولنے کا زیادہ موقع دے رہی تھی، کبھی کبھی وہ اس کا تلفظ درست کر دیتی۔

''ایسی وائلڈ لائف کی فلمیں ہمارے ملک میں نہیں چلتیں۔''

''اب تم اپنے ملک کو بھولو سالم۔ تم یہاں کی شہریت حاصل کرنے جا رہے ہو۔ اسی رنگ میں رنگ جاؤ۔ زندگی کو زیادہ انجوائے کرو گے۔ تمہیں یہ فلمیں گندی لگتی ہوں گی جبکہ یہ حقیقت سے قریب ترین ہیں۔ اچھا، اب مجھے نیند آ رہی ہے، تم بھی یہیں سو جاؤ۔'' برینڈا نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔

اب اس کا یہی معمول تھا۔ ہر سنیچر کو وہ برینڈا کے پاس پہنچ جاتا، ہفتے بھر کی شاپنگ کراتا، اس کے لئے کھانا بناتا، وائلڈ لائف کی فلمیں دیکھتا اور اتوار کو رات گئے رخصت ہو جاتا۔

ایک مہینے کے بعد برینڈا نے مجسٹریٹ سے وقت لے لیا۔ سلیم نے اس کے لئے ویڈنگ ڈریس لیا اور دونوں کے چند دوست احباب کے سامنے مجسٹریٹ نے دونوں کی شادی کر

www.taemeernews.com

دی۔

ڈرنک کا دور چلا، دوست احباب رخصت ہوئے اور برینڈا اپنی نئی گاڑی میں سلیم کو اپنے گھر لے آئی۔

''سالم ہمیں تو ہنی مون کے لئے کہیں دور چلے جانا چاہئے تھا، لیکن تم ملک سے باہر نہیں جا سکتے۔ چلو، تمہارے پیسے بچ گئے۔'' برینڈا ہنس کر بولی۔

سلیم مسکرا کر رہ گیا۔

'آج کیا پروگرام ہے؟' اس نے ہنس کر پوچھا۔

''تمہارے لئے بہت اچھے کھانے پکاؤں گا۔''

''تم بے وقوف ہو سالم۔۔۔'' وہ ہنس کر کپڑے تبدیل کرنے چلی گئی۔

سلیم کچن کی طرف چلا گیا۔

میں بے وقوف نہیں ہوں برینڈا..... لیکن نہیں، شاید میں بہت بے وقوف ہوں۔ چھ برسوں سے تکلیفیں جھیل کر، پولیس سے بچ بچا کر، چھپتا چھپاتا، چھوٹی سے چھوٹی ملازمتیں کر کے رقم پس انداز کرتا رہا ہوں تا کہ مستقل قانونی رہائش کی کوئی صورت نکل سکے۔ بے وقوف تو ہوں، آخر ان سب کی مجھے کیا ضرورت تھی، کیا اپنے ملک میں مجھے کوئی چھوٹی موٹی ملازمت نہیں مل سکتی تھی..... والدین، بھائی بہن، گھر، عزیز و اقارب..... میں واقعی بے وقوف ہوں برینڈا..... بہت بے وقوف.....

اس سے اگلے مہینے اسے مستقل رہائش کا کارڈ مل گیا، پھر اسے ورک پرمٹ بھی مل گیا۔ برینڈا کی کوششوں سے اسے اچھی ملازمت بھی مل گئی۔

اب وہ باقاعدہ ٹیکس ادا کرنے والے شہریوں کی صف میں شامل تھا۔

سنیچر کے روز وہ پابندی سے برینڈا کے گھر پہنچ جاتا، اسے ہفتہ بھر کی شاپنگ کراتا،

www.taemeernews.com

کہیں ڈنر پر لے جاتا، وائلڈ لائف کی فلمیں دیکھتا اور اتوار کو رات گئے واپس چلا جاتا۔

اس کی شہریت کے کاغذات بھی داخل ہو چکے تھے، زبان بھی خوب رواں ہو چکی تھی اور کسی بھی محفل میں بیٹھ کر وہ ہر طرح کی گفتگو کر سکتا تھا۔

ایک روز بریںڈا نے مژدہ سنایا کہ اگلے مہینے کے تیسرے ہفتے میں پولیس سے اس کا انٹرویو ہوگا، اس سے کچھ سوالات کئے جائیں گے اور پھر اس کے کاغذات وزارت انصاف سے وزارت داخلہ بھیج دیئے جائیں گے اور اسے اس ملک کا پاسپورٹ مل جائے گا۔

سلیم سے زیادہ بریںڈا خوش نظر آ رہی تھی۔

''تم بہت خوش نظر آ رہی ہو۔''

''ہاں کیوں نہیں۔ مجھے تمہارے ہاتھوں میں پانچ ہزار کا لفافہ نظر آ رہا ہے اور میرا ہاتھ اس سے بہت قریب ہوتا جا رہا ہے۔ اب دیکھو نا یہ گاڑی بھی پرانی ہوتی جا رہی ہے، ایک نئی ماڈل کی اسپورٹس کار میں نے پسند بھی کر لی ہے، تم دیکھو گے تو تمہیں بھی پسند آئے گی۔''

سلیم نے کوئی جواب نہیں دیا۔

بریںڈا صوفے پر لیٹ گئی۔ اس نے کتے کو اشارہ کیا، آوازیں بھی دیں لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

سلیم کرسی پر بیٹھا ہوا اسے دیکھتا رہا۔

بریںڈا نے ٹی وی پر وائلڈ لائف کی فلم لگا دی تھی۔

''یہ نئی فلم آئی ہے سالم۔''

سلیم پھر بھی خاموش رہا۔

بریںڈا نے کتے کو آواز دی۔

''سیزر۔ آجاؤ۔''

www.taemeernews.com

کتا پھر بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

''سالم، تم نے یہاں کا پاسپورٹ دیکھا ہے..... کیسا لگتا ہے اور جب تم اسے اپنے ہاتھوں میں لوگے تو کیسا لگے گا.....!'' برینڈا نے ہنس کر پوچھا۔

سلیم خاموش رہا۔ وہ کبھی ٹی وی کو دیکھتا، کبھی کتے کو اور کبھی برینڈا کو۔

برینڈا پہلو بدلنے لگی۔

''سیزر..... کم آن.....'' اس نے اپنے پاؤں کتے کے اور بھی قریب کر دیئے۔

کتے نے اپنا سر اپنے پاؤں کے درمیان ڈال دیا۔

''سیزر.....!'' وہ تقریباً چیخ پڑی۔

کتا پھر بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

''سالم..... تمہیں نیا پاسپورٹ اپنے ہاتھوں میں کیسا لگے گا؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''اچھا لگے گا برینڈا۔'' اس نے بڑی مشکل سے کہا۔

''پھر تم ان تمام حقوق کے اہل ہو جاؤ گے جو ہمیں میسر ہیں..... دیکھو میرا سیزر بھی اب بڈھا ہو گیا ہے..... آؤ، تم ہی آ جاؤ۔''

سلیم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

''آ جاؤ میرے پیارے..... میرے سیزر..... نیا پاسپورٹ میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے دوں گی۔''

سلیم کے چہرے پر زردی چھا گئی۔ بے بسی کی شدت سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''اتنے دنوں سے وائلڈ لائف کی فلمیں دیکھ رہے ہو، کچھ تو سیکھا ہوگا..... اور پھر پاسپورٹ سالم..... پاسپورٹ.....''

برینڈا کے لہجے میں تحکم تھا اور آنکھیں اسی پر مرکوز تھیں۔

www.taemeernews.com

ملبم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا، پھر فرش پر جھک گیا اور چاروں ہاتھ پاؤں کے بل چلتا ہوا برینڈا کے پاؤں کے قریب پہنچا اور پنی زبان باہر نکال کر چپڑ چپڑ اس کے تلوے چاٹنے لگا۔

www.taemeernews.com

انٹرنیشنل پارک

انٹرویو سے فارغ ہوکر وہ ڈاک خانے پہنچا، چند لفافے سپرد ڈاک کئے اور اپنے جانے پہچانے راستے پر چل پڑا۔ اس راستے پر وہ آنکھیں بند کر کے چل سکتا تھا۔ سارے اونچ نیچ سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ سر نیہوڑائے وہ چلتا رہا اور تھوڑی دیر میں اپنے مخصوص خوانچے والے کے پاس جا پہنچا۔ اس کا لفافہ تیار تھا۔ خوانچے والے نے اس کا لفافہ اس کی طرف بڑھایا اور اس نے ایک روپے کا نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔ خوانچے والے نے بغیر دیکھے ہوئے وہ نوٹ اپنے گلے میں ڈال لیا۔ اسی طرح ہوتا آیا تھا۔ نہ اس نے کبھی روپے سے زیادہ ادائیگی کی اور نہ ہی خوانچے والے نے بھنے ہوئے چنے کی مقدار میں کوئی کمی کی۔ چڑیا گھر کے نکڑ پر اخبار، رسالے والے کی دکان تھی۔ اس نے پیسے بڑھائے اور دکاندار نے ہاتھ بڑھا کر اندر سے اس کے لئے مخصوص اخبار نکال کر اس کے حوالے کر دیا۔ دن کا اخبار اس وقت تک فروخت ہو چکا ہوتا تھا لیکن اس کے لئے ایک کاپی محفوظ رہتی تھی۔ اس نے اپنا بستہ، اخبار اور خوانچے والے سے لئے ہوئے لفافے سنبھالے اور چڑیا گھر کے دروازے کی طرف بڑھا۔ بڑے دروازے کے بعد داخلے کے لئے ایک چھوٹا دروازہ تھا۔ اس وقت بھیڑ نہیں تھی۔ چھوٹے دروازے سے ہٹ کر چڑیا گھر کے دو

www.taemeernews.com

تین اہلکار اسٹول پر بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ وہ قریب پہنچا تو ایک لمحہ کے لئے وہ خاموش ہوگئے۔

''بابو، سندری زخمی ہوگئی ہے۔'' ان میں سے ایک نے کہا اور پھر باتوں میں مصروف ہوگئے۔

اس نے آہستہ سے سر ہلایا اور چھوٹے دروازے سے اندر داخل ہوگیا۔ چڑیا گھر میں داخلے کے ٹکٹ کا اس سے کوئی مطالبہ نہیں کرتا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا بندروں کے پنجرے کے پاس پہنچا۔ سندر اور سندری بندروں کی ایک جوڑی کا نام تھا جسے افریقہ کے ایک ملک نے خیر سگالی کے طور پر تحفتاً دیا تھا۔ اسے دیکھ کر کئی بندروں نے خیں خیں کی آواز لگائی، دو تین چھلانگیں لگائیں اور ایک بندر کے آس پاس جمع ہوگئے جو ایک کونے میں ادھ لیٹا پڑا تھا، وہ سندری تھی۔ اس نے آنکھیں کھولیں، اسے دیکھا اور پھر آنکھیں موند لیں۔ نورا دروازے سے اس کے ساتھ چل پڑا تھا۔ وہ اسے بتاتا رہا کہ اسکول کے بچوں کا ایک گروہ صبح یہاں سیر کے لئے آیا تھا، بندر اپنی چہلوں میں مشغول تھے، سندری جالی پر چڑھ آئی تھی، کسی بچے نے اسے پتھر دے مارا۔ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور گر پڑی۔ غالباً اس کے سر میں چوٹ آئی تھی، زخمی ہوگئی۔

وہ کچھ دیر کھڑا رہا، کچھ اور لوگ بھی وہاں جمع تھے، پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ پورے چڑیا گھر کا ایک چکر لگا کر وہ ایک مخصوص درخت کے پاس پہنچا، اپنا لفافہ اور اخبار گود میں ڈال کر اپنے بستے کو درخت کے تنے سے لگایا اور اس پر سر ٹیک کر آنکھیں بند کرلیں۔ کافی دیر تک وہ اسی طرح پڑا رہا۔ اپنی تھکن کا احساس وہ اسی طرح زائل کرتا تھا۔ پھر اس نے آنکھیں کھولیں۔ اخبار اور لفافہ اپنے بستے سے دبایا اور قریب کے نلکے کے پاس پہنچ کر پہلے ہاتھ دھوئے، منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور دو تین گھونٹ پانی حلق سے اتار کر واپس اپنی جگہ پر آگیا۔

اس نے بستہ ایک طرف کیا، اخبار سامنے پھیلا لیا اور لفافہ دائیں طرف رکھ کر اس کا منہ کھول دیا۔ اخبار پڑھتا رہا اور چنے پھانکتا رہا۔ جلی سرخیوں والی خبریں پڑھ چکا تو اس نے چھوٹی

www.taemeernews.com

چھوٹی خبروں کی طرف توجہ دی۔ اسے چیتل کے زخمی ہونے کی خبر کی تلاش تھی۔ بالآخر اسے وہ خبر مل گئی۔ گذشتہ روز چیتل پر کسی نے غلیل کا نشانہ لگایا تھا، خبر میں مختلف قسم کی قیاس آرائیاں تھیں۔

ایسی خبریں اب تقریباً روزانہ پڑھنے کو مل رہی تھیں۔ کبھی کوئی بندر زخمی ہو جاتا، کبھی بے توجہی کے سبب شتر مرغ کے بیمار پڑنے کی خبر مل جاتی، کبھی کوئی ریچھ کو چھیڑ دیتا اور ایک تہلکہ مچ جاتا، کبھی پرندوں کے پنجرے میں کسی سانپ کے گھس جانے کی خبر ہوتی اور کئی بہت قیمتی پرندے مردہ پائے جاتے۔ اخبارات میں پہلے چھوٹی چھوٹی خبریں شائع ہوتیں، پھر بڑی بڑی سرخیوں میں خبریں لگنے لگیں، بلدیہ کے اجلاس میں زوردار بحث مباحثے ہوئے، وہ خود چڑیا گھر کے منتظمین سے ملتا، دیر تک گفتگو کرتا لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

اس نے اخبار کا ''ضرورت ہے'' کا صفحہ نکالا اور اپنے بستے سے قلم نکال کر اپنی اہلیت کے مطابق شائع ہونے والے اشتہاروں کو قلم زد کرنے لگا۔ کہیں ذاتی طور پر ملنے کو کہا گیا تھا، اس کا پتہ اس نے اپنی ڈائری میں نوٹ کیا، کہیں درخواست مانگی گئی تھی۔ اس کے لئے درخواستیں اس کے پاس تیار رہتی تھیں، صرف پتہ ٹائپ کرانا ہوتا تھا۔ ان سب سے فارغ ہوا تو شام ہو چلی تھی اور لوگ رخصت ہونا شروع ہو گئے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہاں سناٹا چھا گیا۔

وہ اٹھا اور چل پڑا۔ ہر پنجرے اور کٹہرے کے پاس وہ تھوڑی دیر کھڑا رہتا، ان میں قید جانوروں سے وہ تھوڑی دیر ان ہی کی زبان میں باتیں کرتا، اندر جانور اچھل کود کرتے اور وہ آگے بڑھ جاتے۔

آج اس نے بندروں کے پنجرے کے پاس کافی دیر لگائی۔ اس نے آواز نکالی تو اندر بندروں میں کھلبلی مچ گئی۔ سب تیز تیز آوازیں نکالتے ہوئے ادھر ادھر اچھل کود کرنے لگے، پھر خود ہی شانت ہو گئے۔ سندری آہستہ آہستہ چلتی ہوئی جالی کے قریب آئی، کچھ دیر کھڑی رہی، پھر واپس درخت کے تنے کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ وہ ڈاکٹر کو ساتھ لے جا کر اس کا معائنہ کرا چکا تھا۔

www.taemeernews.com

''یہ ٹھیک ہو جائے گی۔'' اس نے سوچا اور چڑیا گھر کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دروازے سے باہر نکلا تو اسے آواز سنائی دی۔ ''نورے، مین گیٹ بند کر دے، بابو نکل گیا ہے۔''

یہ اس کا روزانہ کا معمول تھا۔ صبح سویرے گھر سے نکلتا، ملازمت کے لئے انٹرویو دیتا، درخواستیں سپردِ ڈاک کرتا، خوانچے والے سے اپنا لفافہ لیتا، اخبار اٹھاتا اور چڑیا گھر پہنچ جاتا۔ جانوروں کے علاج کے سلسلے میں چڑیا گھر کا ڈاکٹر اس کی مدد کا طالب ہوتا کیونکہ پورے عملے میں کسی میں بھی اتنی صلاحیت نہیں تھی کہ زخمی یا بیمار جانور کو اپنے قابو میں کر سکے۔ شام کو واپسی سے پہلے تمام پنجروں، کٹہروں کے پاس تھوڑا تھوڑا وقت دیتا، ان سے ان کی زبان میں گفتگو کرتا اور واپس گھر پہنچ جاتا۔ جس روز دفاتر بند ہوتے وہ براہ راست چڑیا گھر پہنچتا۔

اگلے روز ابھی وہ اپنا اخبار وصول ہی کر رہا تھا کہ اسے شیر کے دھاڑنے کی آواز سنائی دی۔ وہ چونک پڑا۔ یہ ایک غیر معمولی بات تھی۔ وہ تیزی سے چڑیا گھر کے دروازے کی طرف لپکا۔ دروازے پر ایک جم غفیر تھا۔ وہ انہیں ہٹاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ چڑیا گھر کے کئی اہلکار وہاں موجود تھے۔ ان کی نظریں اس پر پڑیں تو وہ اس کے لئے راستہ بنانے لگے۔ ان کے چہروں پر اطمینان کی لہری دوڑ گئی جیسے وہ اسی کے منتظر تھے اور اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔

وہ تیزی سے اندر پہنچا۔ اس نے پورے چڑیا گھر کا چکر نہیں لگایا بلکہ سیدھا شیر کے کٹہرے کی طرف بڑھا۔ کٹہرے سے کچھ دور پر لوگوں کی بھیڑ جمع تھی اور چڑیا گھر کے اہلکاروں نے انہیں آگے بڑھنے سے روک رکھا تھا۔ وہ ان کے قریب سے گزرتا ہوا آگے بڑھا، اسے کسی نے روکا نہیں بلکہ اس کے لئے راستہ بناتے رہے۔ اس نے اپنا بستہ، لفافہ اور اخبار ایک طرف پٹخا اور ڈاکٹر اور منتظمین کی طرف بڑھ گیا جو ایک طرف بے بس کھڑے تھے۔

منتظم اعلیٰ نے اسے بتایا کہ کسی نے شیر کی جنگلے سے باہر نکلی ہوئی دم پوری طاقت سے کھینچ لی تھی، شیر بری طرح زخمی ہو گیا تھا اور اس نے پورے چڑیا گھر کو سر پر اٹھا رکھا تھا۔ ڈاکٹر کی

www.taemeernews.com

سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح زخم کا معائنہ کریں تاکہ علاج ممکن ہو سکے۔ شیر بے حد غصے میں تھا اور کسی کو اس کے قریب جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

ان سے بات چیت کر کے وہ آہستہ آہستہ شیر کے کٹہرے کی طرف بڑھنے لگا۔ مجمع پر سناٹا طاری ہو گیا۔ شیر کے دھاڑنے کی آواز مزید بڑھ گئی۔ وہ کٹہرے کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے گلے سے عجیب عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ شیر پورے کٹہرے میں تیزی سے چکر لگا رہا تھا اور دھاڑ رہا تھا۔ وہ کٹہرے کی سلاخیں پکڑے کھڑا رہا اور گلے سے آوازیں نکالتا رہا، اچانک شیر نے چکر لگانا بند کر دیا اور سلاخوں کے قریب آ کر پچھاڑیں کھانے لگا۔ اس کی تیز تیز سانسیں لینے کی آواز دور تک سنی جا سکتی تھی۔ وہ سلاخوں کے قریب کھڑا ہوا ویسی ہی آوازیں نکالتا رہا، شیر کچھ پرسکون ہو چلا تھا۔ ڈاکٹر اور منتظمین نے آگے بڑھنا چاہا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روک دیا اور اپنی حکمت عملی میں مصروف رہا۔ اب شیر بیٹھ گیا تھا اور دھاڑنا بھی بند کر دیا تھا۔ اس نے ڈاکٹر کو اور نورے کو اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ نورا شیر کو غذا مہیا کرتا تھا اس لئے شیر کے لئے وہ نامانوس نہیں تھا۔

کٹہرے کا دروازہ کھول کر وہ پہلے اندر داخل ہوا اور شیر کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ مجمع کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا، منتظمین بھی دم سادھے دور کھڑے تھے۔ پھر اس نے ڈاکٹر کو اندر آنے کا اشارہ کیا، اس اثنا میں وہ دھیرے دھیرے اپنے گلے سے آوازیں نکالتا رہا۔ شیر کی کمر پر اس نے ہاتھ پھیرا اور شیر جیسے اس کا اشارہ سمجھ کر دوسری طرف منہ پھیر کر لیٹ گیا۔ ڈاکٹر نے اس کا معائنہ کیا، زخم دھویا، ٹیکہ لگایا اور مرہم لگا کر اٹھ گیا۔ شیر تیز تیز سانسیں لیتا رہا اور وہ مسلسل اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتا رہا اور اپنے گلے سے آوازیں نکالتا رہا۔

وہ باہر نکلا تو منتظمین گھبرائے ہوئے اس کی طرف لپکے۔

"اخبار والے تو آسمان سر پر اٹھا لیں گے۔ پہلے ہی وہ شاکی ہیں کہ شیروں کو مناسب مقدار میں غذا

www.taemeernews.com

فراہم نہیں کی جاتی اور یہ کہ ہم لوگوں نے جیسے دانستہ شیروں کو بکریاں بنا کر رکھ دیا ہے۔ اب کیا ہوگا؟''

اس نے اپنی چیزیں اٹھائیں اور منتظم اعلیٰ کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ ایک بار پلٹ کر اس نے کٹہرے کی طرف دیکھا، شیر اپنے کچھار میں جا رہا تھا۔ اس کی دھاڑ سے اس کے پڑوس کے کٹہرے میں بندر بچھ بھی سہمے ہوئے سے انداز میں ادھر ادھر پھر رہے تھے۔

توقع کے مطابق اگلے روز کے اخبارات میں شیر کے زخمی ہونے کی خبر جلی حروف میں شائع ہوئی تھی۔ اس سے اگلے روز کسی نے زرافہ کی گردن پر ڈاٹ کا نشانہ لگایا تھا اور اس سے اگلے روز اخباروں نے زوردار اداریے لکھ ڈالے۔

چڑیا گھر کی انتظامیہ بے بس تھی۔ کبھی وہ بجٹ کا رونا روتی اور کبھی غیر تعلیم یافتہ تماشائیوں کا۔ حکومت نے ایک تحقیقاتی کمیشن بٹھا دیا جسے تیس دنوں میں اپنی رپورٹ پیش کرنا تھی۔ ان تیس دنوں میں جانوروں اور پرندوں کے مرنے اور بیمار پڑنے کی خبریں مسلسل شائع ہوتی رہیں۔ جانوروں کی تعداد چڑیا گھر میں تشویشناک حد تک کم ہوتی گئی اور تماشائیوں کی تعداد بھی مایوسیوں کا شکار ہو کر کم سے کم ہوتی گئی۔

تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ تیار ہو کر حکومت کو پیش ہوئی۔ کابینہ کا متفقہ فیصلہ تھا کہ چڑیا گھر کا نظام اس کے موجودہ منتظمین سے درست نہیں ہو سکتا۔ اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ بیرونی ممالک، خصوصاً ترقی یافتہ مغربی ملکوں سے ماہرین کی ٹیم درآمد کی جائے جو چڑیا گھر کے انتظام کو صحیح خطوط پر استوار کرے۔

حکومت کے بڑے اہلکاروں نے مغرب کی دوڑ لگانی شروع کر دی۔ معاہدے ہوئے، کئی معائنہ ٹیمیں آئیں اور چلی گئیں۔ فیصلہ ہوا کہ ایک مستقل ٹیم چڑیا گھر کے انتظام و انصرام کو سائنسی خطوط پر استوار کرے گی، نئے اور مختلف النوع جانور مہیا کرے گی اور اپنی نگرانی

www.taemeernews.com

میں تکنیکی تربیت فراہم کرے گی۔

ان سب انتظامات کے لئے اس مستقل ٹیم کو کافی وقت درکار تھا اور اتنی لمبی مدت کے لئے چڑیا گھر کو بند نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ اس کا بندوبست بھی مستقل ٹیم نے کر لیا تھا۔ اس نے چڑیا گھر کے مقامی منتظموں کے ساتھ کئی میٹنگیں کیں، اور راز داری کی قسمیں لی گئیں۔

ایک مہینے تک چڑیا گھر مکمل طور پر تماشائیوں کے لئے بند رہا۔ وہ اپنا بستہ، لفافہ اور اخبار کے ساتھ چڑیا گھر آتا رہا۔ اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ کسی نے اسے اندر جانے سے نہیں روکا تھا۔ مستقل ٹیم کے افراد مقامی انتظامی اہلکاروں کے ساتھ روزانہ چڑیا گھر میں چہل قدمی کرتے، جگہوں کے انتخاب پر گفتگو کرتے اور انتظامات سے متعلق ہدایات جاری کرتے۔ ابھی چند روز ہی گزرے تھے کہ اس مستقل ٹیم کے افراد کی نظر اس پر پڑ گئی تو اس کے متعلق مقامی انتظامیہ کے اہلکاروں سے دریافت کیا۔ مقامی افراد نے اس کے متعلق انہیں تفصیل سے بتایا۔ ان لوگوں کی آنکھوں میں چمک عود کر آئی اور جیسے مسئلہ حل ہوتا ہوا نظر آیا۔

اگلے روز اسے دفتر میں بلوایا گیا۔ اسے ملازمت کے لئے آفر دی گئی اور اس سلسلے میں تمام حدود و قیود کو نظر انداز کر دیا گیا۔ یہاں کا مقامی منتظم اعلیٰ ہمیشہ اس کے لئے سفارشات کرتا رہا تھا لیکن اس کی تمام کوششیں ناکام رہی تھیں۔ اسے آفر ملی تو اس نے قبول کر لیا۔ اس سے کسی اہلیت اور قابلیت کی سند کا مطالبہ نہیں کیا گیا۔ بس سخت راز داری کی کڑی شرط رکھی گئی تھی۔

اس سے مختلف جانوروں کی بولیاں بلوائی گئیں، پرندوں کی چہچہاہٹ سنی گئی، بندروں کی خیں خیں حتیٰ کہ ڈولفن کی چیں چیں کی آواز بھی اس نے بڑی مہارت سے سنائی۔ اس کے ذمہ ایسے لوگوں کو مہیا کرنا تھا جو جانورں کی آواز نکالنے میں مہارت رکھتے ہوں۔ جانوروں کے عادات واطوار سے پوری طرح واقف ہوں۔ ایسے لوگوں کی مکمل تربیت کی ذمہ داری بھی اس کے سپرد کر دی گئی تھی۔ پیشکش بہت اچھی تھی۔ ان سے فارغ ہو کر وہ اپنی مخصوص جگہ پر آ گیا اور دیر تک

www.taemeernews.com

آنکھیں بند کئے اس پیشکش پر غور کرتا رہا۔ ملازمت تو مل گئی تھی لیکن کام اتنا آسان بھی نہیں تھا۔ وہ ایسے لوگوں کو کہاں سے مہیا کرے گا، یہ سوال اس کے لئے پریشان کن تھا۔

شام ہونے لگی تو وہ اٹھا، حسب معمول جانوروں کے پنجروں اور کٹہروں کی طرف چل پڑا اور ان سے ان کی زبان میں باتیں کرتا ہوا چلتا رہا۔ ریچھوں کے کٹہرے کے پاس ابھی وہ آواز نکالنے ہی والا تھا کہ چونک پڑا۔ ریچھ اس کے سامنے تھا، اس کا منہ بند تھا لیکن اس کے دھاڑنے کی آواز واضح طور پر سنائی دے رہی تھی۔ وہ اسے غور سے دیکھتا رہا، آواز مسلسل آ رہی تھی لیکن غور کرنے پر اندازہ ہوا کہ آواز کچھ دور سے آ رہی ہے۔ وہ اندازہ لگا کر دبے پاؤں اس آواز کی طرف بڑھا، کٹہرے کے دوسری طرف کوئی شخص چھپا ہوا منہ پر دونوں ہاتھ رکھے ریچھ کی آواز نکال رہا تھا۔ آواز پر کوئی شبہہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس نے اس شخص کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چونک کر پلٹا، پھر ہنسنے لگا، یہ نورا تھا۔

''بابو تم اکیلے اس کام کے ماہر نہیں ہو، میں بھی ایسی آوازیں نکال سکتا ہوں۔ کہو، کیسی رہی؟''

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا، پھر نورے سے کہا۔

''نورے کل مجھ سے ملنا۔ کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

پھر وہ اپنا دورہ مکمل کر کے چڑیا گھر سے نکل گیا۔

اگلے روز وہ نورے کو لے کر انتظامیہ کے پاس پہنچا۔ کچھ تفصیلات طے ہوئیں اور نورے کی تنخواہ بڑھا کر اسے اس کی تحویل میں دے دیا گیا۔ نورے نے ایسے آدمیوں کی قطار لگا دی جو جانوروں کی عادات سے واقف تھے اور ان کی بولیاں بول سکتے تھے۔

اب وہ صبح کے وقت چڑیا گھر میں داخل ہوتا، ایک کمرے میں تمام لوگ جمع ہوتے اور آوازوں اور عادتوں کا مظاہرہ ہوتا اور کمی بیشی کی تربیت کی جاتی۔

مستقل ٹیم نے اسے مختلف النوع جانوروں کی کھالیں بھی مہیا کر دی تھیں، تربیت کا

www.taemeernews.com

معیار بڑھتا جا رہا تھا۔ اب کھال پہن کر اس جانور کی آواز نکالنے کے لئے کہا جاتا، اسے چلنے پھرنے، کھانے پینے کی تربیت دی جاتی اور جس کی تربیت مکمل ہو جاتی اسے مستقل ٹیم کے سامنے پیش کر دیا جاتا۔

مستقل ٹیم کو ایسے تربیت یافتہ افراد کی ضرورت شدت سے تھی جو ان جانوروں کی کمی کو پورا کر سکتے جو چڑیا گھر میں موجود نہیں تھے۔ اس طرح کے جانوروں کے لئے افراد پہلے تیار کئے گئے اور کٹہروں اور پنجروں میں پہنچا دیئے گئے۔

شیر اور ریچھ کے لئے اب تک مناسب افراد نہیں مل سکے تھے۔ اس نے آخر کار نورے کو ہی ریچھ کے لئے منتخب کیا اور خود شیر بن بیٹھا۔ ریچھ اور شیر کی کھال پہن کر وہ دیر تک مستقل ٹیم کے سامنے اپنی آوازوں اور چلنے پھرنے، کھانے پینے کا مظاہرہ کرتے رہے۔ اگلے روز وہ بھی اپنے کٹہرے میں پہنچا دیئے گئے۔

اب چڑیا گھر مکمل تھا۔ ایک پریس کانفرنس بلائی گئی اور مستقل ٹیم نے مقامی انتظامیہ سمیت انہیں خطاب کیا۔ پھر انہیں چڑیا گھر کی سیر کرائی گئی۔ ہر پنجرے اور کٹہرے کے قریب ایک تختی لگی تھی جس پر اس جانور کا نام، عادات، مقامیت وغیرہ کی تفصیل درج تھی۔ مستقل ٹیم کا فرد اس جانور کو مخاطب کرتا اور وہ اپنی آواز نکال کر اس کی طرف متوجہ ہو جاتا۔ چڑیا گھر میں جانوروں کی ریل پیل تھی، کوئی بھی پنجرہ یا کٹہرہ خالی نہیں تھا۔

چند دنوں میں اخبارات میں فیچر شائع ہوئے۔ اب یہ چڑیا گھر دنیا کے کسی بھی چڑیا گھر کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا تھا۔ اخبارات کے مطابق یہ ترقی یافتہ مغربی ممالک کے ماہرین ہی تھے جنہوں نے اس چڑیا گھر کو اتنے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا دیا تھا۔

اب چڑیا گھر عام تماشائیوں کے لئے کھول دیا گیا۔

اس نے نورے کے کہنے پر کچھار سے ایک راستہ ریچھ کے کٹہرے کی طرف نکلوا دیا تھا

www.taemeernews.com

تا کہ فارغ اوقات میں یہاں کے انتظامات سے متعلق تبادلۂ خیالات کیا جا سکے۔نورا یوں بھی زیادہ دیر تک خاموش نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ وہ جب دیکھتا کہ تماشائیوں سے چڑیا گھر خالی ہے تو وہ شیر کی کچھار میں آجاتا اور اس سے باتیں کرنے لگ جاتا۔ جب کوئی تماشائی آتا دکھائی دیتا تو دونوں اپنے اپنے کٹہروں میں چلے جاتے۔

ایسے ہی ایک روز جب شام ہو چلی تھی، تماشائیوں کے لئے گھنٹی بجا کر چڑیا گھر بند ہونے کا اعلان کیا جا چکا تھا اور دور دور تک کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا، نورا کچھار کے راستے شیر کے کٹہرے میں آ گھسا اور اسے دبوچ لیا۔ وہ دھاڑتے ہوئے پلٹا لیکن نورا یوں بھی بڑا جاندار تھا۔اس نے نورے کو دیکھ کر کہا۔

''نورے یہ کیا بدتمیزی ہے، الگ ہٹو۔''

''ارے بابو کیسے شیر ہو، ایک ریچھ کو نہیں پچھاڑ سکتے۔''

''اب ڈیوٹی کا وقت ختم ہو رہا ہے نورے، الگ ہٹو میں شیر ویر نہیں ہوں۔''

''کیا بات کرتے ہو بابو، ذرا سا طاقت تو لگاؤ، جھکے جھکے کمر میں درد ہونے لگا ہے۔'' نورے نے اسے مزید طاقت سے دبوچ لیا۔

معاً اسے کچھ کھٹکا سا محسوس ہوا۔ غالباً کوئی اسی طرف آ رہا تھا۔

''نورے جلدی ہٹو، نورے ابے کیوں اپنی اور میری نوکری کے پیچھے پڑا ہے، دیکھ کوئی ادھر ہی آ رہا ہے۔''

نورا جلدی سے الگ ہٹا اور تیزی سے کچھار کے راستے اپنے کٹہرے میں پہنچ گیا۔

اس نے ایک دھاڑ لگائی اور چاروں ہاتھ پاؤں کے بل تیزی سے پنجرے میں گردش کرنے لگا۔

www.taemeernews.com

گنی پگ

سائنس میگزین میں اس کا وہ مضمون کیا چھپ گیا کہ اس کی زندگی کی کایا ہی پلٹ گئی۔ جن حلقوں میں یہ رسالہ پہنچا اور لوگوں کی نظروں سے وہ مضمون گزرا، چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں اور شکوک وشبہات نے ذہنوں میں جنم لئے۔ ان حلقوں کے چند ایک افراد تو اتنے خوفزدہ ہو گئے کہ اس مضمون کے موضوع کو زیر بحث لانے سے احتراز کرنے لگے۔ مضمون کا موضوع اچھوتا تو تھا لیکن پڑھنے والوں نے ایسا محسوس کیا جیسے موضوع ان کے لئے نیا نہیں ہے۔ ان کے ذہنوں کے کسی گوشے میں یہ خیال موجود تھا۔ یہ اور بات تھی کہ شعوری طور پر وہ اس پر غور کرنے سے کتراتے رہے تھے، دانستہ، جان بوجھ کر۔

وہ ریسرچ سنٹر آتے جاتے اس موضوع پر غور کرتا رہا تھا۔ بس میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کا سفر کسی سوچ بچار میں ہی طے پاتا۔ لیکن اس موضوع کو وہ اپنے سنٹر پر بھی کبھی زیر بحث نہیں لایا۔ وہ خود بھی کچھ خوفزدہ سا رہتا تھا۔ جن پروفیسر صاحب کی وہ معاونت کرتا تھا یا جن کی زیر نگرانی وہ تحقیقی کام کر رہا تھا، ان سے بھی اس نے اس موضوع پر کبھی بات چیت نہیں کی تھی، اشارتاً بھی نہیں۔

www.taemeernews.com

سنٹر آنے جانے میں اس کے تین گھنٹے صرف ہو جاتے۔ بس میں بیٹھے بیٹھے وہ اکثر سوچتا کیا زندگی اسی طرح گزر جائے گی؟ تجربہ گاہ میں پروفیسر کی کسی تھیوری پر کام کرتے ہوئے، ان کی معاونت کرتے ہوئے، قلیل سے وظیفے کے نام پر حقیری تنخواہ پاتے ہوئے۔!

اسے اپنے حصولِ تعلیم کا دور بار بار یاد آتا۔ کتنا جوش وخروش تھا اس میں، اس کے ساتھیوں میں..... کچھ کر گزرنے کی لگن..... کوئی ایجاد، کوئی نیا خیال، کوئی نئی تھیوری، کوئی کامیاب تجربہ.....

جب عملی میدان میں قدم رکھا تو عجیب وغریب صورت حال سے دوچار ہوا۔ پہلے تو اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ اعلیٰ تعلیم نے اس کی کوئی مدد نہ کی۔ اسے لگا کہ وہ بیچ میدان میں برہنہ کھڑا ہے اور اسے وقفے وقفے سے بجلی کے جھٹکے دیئے جا رہے ہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں سے ملتا تو اور بھی مایوسی کا شکار ہوتا۔ کوئی ملک چھوڑ کر جا رہا تھا، کسی نے مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے کسی غیر ملک میں داخلے کے لئے تگ ودو شروع کر دی تھی، فرار کے لئے سچے جھوٹے داؤ آزمائے جا رہے تھے، کوئی مشکل سے کسی درس گاہ میں لگ گیا تھا، کوئی اپنے موضوع سے ہٹ کر، بالکل تیاگ کر معمولی سی ملازمت پر قانع تھا۔ اس کے ہاتھوں ہاتھ لئے جانے کا خواب اس بری طرح چکنا چور ہوا تھا کہ اسے خود کو سنبھالنے میں اپنی پوری توانائی صرف کرنی پڑی۔ یہ اس کی مجبوری تھی۔ اس پر خاندان کے افراد کی کفالت کی ذمہ داری تھی۔ اس کی تعمیر میں گھر کا سب کچھ داؤ پر لگ گیا تھا اور جب انتہائی تگ ودو کے بعد اسے اس تحقیقاتی ادارے میں پاؤں ٹیکنے کی جگہ مل گئی تو اسے ذہنی دباؤ سے چھٹکارا حاصل کرنے میں کافی حد تک مدد ملی۔

وہ اپنے نگراں کے سونپے ہوئے کام بہ حسن وخوبی انجام دیتا۔ لیکن یہ معمول کا کام تھا اور اسے ایسا لگتا کہ اس میں زنگ لگتا جا رہا ہے، جیسے کچھ کھو گیا ہے یا ایسی کوئی کمی جسے وہ کوئی نام بھی نہیں دے پا رہا تھا۔ سنٹر آتے جاتے وہ کسی موضوع پر غور کرتا، انھیں الفاظ کی شکل دیتا اور گھر میں

www.taemeernews.com

بیٹھ کر انھیں لکھ ڈالتا۔ پھر اپنے نگراں کو دکھاتا اور وہ اسے شائع کرانے کا مشورہ دیتے۔ وہ اپنا مضمون کسی سائنسی رسالے کو بھیج دیتا جو شائع بھی ہو جاتا۔ لیکن وہ پھر بھی مطمئن نہیں تھا۔ یہ بھی اسے معمول کا کام لگتا۔ تجربہ گاہ میں وہ بڑی دلچسپی سے کام کرتا، پوری لگن کے ساتھ لیکن کبھی کبھی دل بالکل اچاٹ ہو جاتا۔ اس کے نگراں اس پر بڑے مہربان تھے۔ اس کی اس کیفیت کو وہ دیکھتے تو اس کے ساتھ بیٹھ جاتے۔ اس کے ذہن کو کھولنے، کھنگالنے کی کوشش کرتے لیکن اس پر تو خود ہی کچھ واضح نہیں تھا۔ جلد ہی وہ خود پر قابو پا لیتا۔

ایک موضوع ایسا تھا جس سے وہ خود بھی خوفزدہ تھا۔ اس پر وہ برسوں سے غور کر رہا تھا مگر الفاظ کا جامہ پہنانے کے لئے حوصلے کی ضرورت تھی اور اب اس نے تمام تر حوصلے جمع کر کے اس موضوع کو مضمون کی شکل دے کر شائع کرا دیا تھا۔ سائنس میگزین کے لئے اس کا نام نیا نہیں تھا، شاید اسی لئے مضمون چھپ بھی گیا ورنہ ممکن ہے وہ چھپنے سے رہ جاتا۔

سنٹر میں رسالہ آیا اور لوگوں کی نظروں سے گزرا بھی۔ خود اس کے نگراں نے بھی پڑھا مگر اسے ایسا لگ رہا تھا کہ تمام لوگ اس موضوع پر بات کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔ وہ خود بھی کچھ شرمندہ شرمندہ سا تھا۔ جب اس کے نگراں نے بھی اس سلسلے میں اس سے کچھ نہیں کہا تو ایک دن وہ خود پوچھ بیٹھا۔

''سر! آپ نے میرے نئے مضمون پر کوئی رائے نہیں دی؟''

''تم نے بھی تو ہمیشہ کی طرح شائع ہونے سے پہلے میری رائے نہیں مانگی!''

بہت دیر تک خاموشی رہی۔ چور تو اس کے دل میں بھی تھا۔

''سر! اب آپ کی کیا رائے ہے؟''

''دو صورتیں ہوں گی۔ یا تو تم مکمل طور پر مسترد کر دیئے جاؤ گے یا بہت اہم بن کر سامنے آؤ گے۔ درمیان کی کوئی صورت نہیں۔ ویسے تم نے بہت ہمت سے کام لیا ہے۔''

www.taemeernews.com

اس نے اطمینان کی سانس لی۔ اپنے نگراں کے رائے اس کے لئے بے حد اہم ہوتی تھی۔ ان کا تجزیہ بہت اچھا ہوتا تھا۔ وہ اس رائے سے متفق تھا اور شاید اسی رائے کا متوقع بھی تھا۔ اس روز تجربہ گاہ میں وہ سارا دن چوہوں، خرگوشوں اور بندروں کے پنجروں کے درمیان گھومتا رہا، انھیں گھورتا رہا اور کبھی ان سے اور کبھی خود سے باتیں کرتا رہا۔

اب وہ اپنی تھیوری پر ڈٹ گیا اور اسی سے متعلق مضامین لکھنے لگا۔ بہ ظاہر کوئی ردعمل سامنے نہیں آیا لیکن رفتہ رفتہ ماحول میں بھنبھناہٹیں ابھریں، اسے سمپوزیم اور سمیناروں میں بلایا جانے لگا۔ سوال و جواب کے سیشن میں بیشتر سوالات اسی سے ہوتے اور اس کی تھیوری کی وضاحت طلب کی جاتی۔

''ہمارے لئے آسان الفاظ میں آپ اپنی تھیوری کی وضاحت کس طرح کریں گے؟'' ایک طالب علم نے سوال کیا۔

''یہ تھیوری دراصل بہت پرانی ہے۔ آپ کے اور ہمارے ذہنوں میں ہمیشہ سے موجود ہے۔ بات بس اتنی سی ہے کہ ہم اسے سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔''

''بات اب بھی واضح نہیں ہوئی۔'' طالب علم غیر مطمئن سا تھا۔

سیشن ختم ہو چکا تھا لیکن وہ لوگوں میں گھرا ہوا تھا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا اور ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''کوئی دوا جو چوہے، خرگوش، بندر یا سخت جان سؤر پر آزمائی جائے وہ اسی کے لئے فائدہ مند یا نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ انسانی دماغ جانوروں سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اگر جانوروں پر آزمائی جانے والی دوا اس کے لئے فائدہ مند ہو سکتی ہے تو ضروری نہیں کہ انسان کے لئے بھی وہ فائدہ مند ہو۔ اگر کوئی شخص پہلی بار کسی مخصوص دوا کو استعمال کرتا ہے تو وہ فائدے کے لئے استعمال نہیں کرتا، بلکہ اس پر یہ ایک تجربہ ہوتا ہے، اس پر یہ دوا آزمائی جاتی ہے۔''

www.taemeernews.com

اس کی اہمیت بڑھنے لگی تھی۔ وہ مسترد نہیں کیا جا سکا۔ بڑی بڑی ملکی اور غیر ملکی دواساز کمپنیوں نے اس کی طرف قدم بڑھائے اور اچھی سے اچھی آفر اس کے قدموں میں ڈھیر ہونے لگیں۔

''ایک قدم اور آگے بڑھو۔ کسی بین الاقوامی ادارے کی آفر قبول کرلو، اپنی جتنی شرائط منوا سکتے ہو منوا لو۔'' اس کے نگراں نے مشورہ دیا...... اور اس نے یہی کیا۔

اب بس میں آنے جانے کے تین گھنٹے غور و فکر کے لئے اس کے پاس نہیں تھے۔ زندگی کی کایا پلٹ ہو چکی تھی۔ اس سے زیادہ کا خواب اس نے دیکھا بھی نہیں تھا۔ ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک اس کی وسعت تھی۔ وہ ادارے کے تجربہ گاہ میں اپنا وقت صرف کرتا لیکن رفتہ رفتہ اسے یکسانیت کا احساس ہونے لگا۔ اسے گمان ہوا جیسے وہ محبوس ہو کر رہ گیا ہے، غور و فکر کے لئے اسے وقت کی کمی محسوس ہونے لگی، لکھنے لکھانے کی رفتار بھی کم ہوگئی کہ ایک دن اسے ایک خوشگوار دھچکے سے دوچار ہونا پڑا۔

اسے کمپنی کے ہیڈ آفس میں مزید ٹریننگ اور تحقیقی کام کے لئے منتخب کرلیا گیا تھا۔ سارے اخراجات کمپنی کے ذمے، تنخواہ کے علاوہ۔ گھر کی ضرورتوں کی فکر سے اسے آزاد کر دیا گیا تھا۔

گھر میں آسودگی تھی۔ اس پر گھر کا سب کچھ لگایا جا چکا تھا۔ اب اس کی واپسی ہو رہی تھی۔ اس کے غیر ملک روانگی پر تمام افراد خوش تھے۔ وہ تیزی سے ترقی کے منازل طے کر رہا تھا۔

طویل سفر کے دوران وہ تمام وقت اپنی تھیوری پر غور کرتا رہا جس نے اس کی زندگی کی کایا پلٹ دی تھی۔ اس کے نگراں کے مطابق وہ مکمل طور پر مسترد بھی کیا جا سکتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو......؟ اس کے نتیجے کے تصور نے اس کے رونگٹے کھڑے کر دیئے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ردِ عمل میں تاخیر تو ہوئی لیکن ردِ عمل مثبت ثابت ہوا اور اب وہ دنیا کے انتہائی ترقی یافتہ ملک میں، انتہائی ترقی یافتہ لوگوں کے ساتھ جدید ترین تجربہ گاہ میں تحقیقی کام اور ٹریننگ حاصل کرے گا جس سے اس کا ذہن مزید کشادہ ہوگا، شاید کوئی اور تجربہ...... کوئی اور تھیوری...... کوئی اور...... کچھ اور!

www.taemeernews.com

ہوائی مستقر پر ایک خاتون نے اس کا استقبال کیا۔ ایک شاندار ہوٹل میں اس کے قیام کا بندوبست تھا۔ خاتون اسے ہوٹل کے کمرے میں آرام کرنے کا مشورہ دے کر چلی گئی۔ شام کے وقت وہ پھر آ پہنچی اور یہ مژدہ سنایا کہ ایک ہفتے تک وہ شب و روز اس کے ساتھ رہے گی، شہر کی سیر کرائے گی اور یہاں کے حالات سے روشناس کرائے گی۔ ایک ہفتے کے بعد اسے اپنے ادارے کے سربراہ سے ملوائے گی اور وہیں طے پائے گا کہ اس کی ٹریننگ کا آغاز کہاں سے ہوگا۔

یہ ایک الگ دنیا تھی۔ تصور سے زیادہ مختلف۔ زندگی کے ہر شعبے میں نظم و ضبط۔ اس نے جو کچھ اپنے کانوں سے سنا تھا، اس سے زیادہ اس کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں۔

اسے تمام سہولتیں میسر تھیں۔ جدید ترین تجربہ گاہ، بھاری بھرکم لائبریری، ہنس مکھ معاونین اور سنجیدہ دوست نما استاد۔ اس خاتون سے اس کی اکثر ملاقاتیں رہتیں جس نے اسے ہوائی مستقر پر خوش آمدید کہا تھا۔ غالباً وہ ادارے کے سربراہ کی سکریٹری تھی۔

اس کے قیام کے پچاس ہفتوں کا شیڈول اس کے ہاتھوں میں دے دیا گیا۔ اس نے اپنا کام شروع کر دیا۔ کمپنی کے تیار کردہ پروڈکٹس کا جائزہ لیتا رہا۔ فیکٹری میں پروڈکٹس کے تیار ہونے کے مراحل کا مطالعہ کرتا رہا۔ کن تجربوں سے گزر کر کوئی پروڈکٹ مارکیٹ میں آتا ہے۔ وہ دیکھتا، غور کرتا اور اپنی رپورٹ تیار کرتا۔ وہ پروڈکٹس کی فہرست دیکھتا تو ایک نکتہ اسے بار بار کچوکے لگاتا۔ کئی پروڈکٹس کے سامنے تحریر تھا..... ''یہ اِس ملک میں دستیاب نہیں۔'' لیکن یہ پروڈکٹس اس کے اپنے ملک میں دستیاب تھے۔ کچھ پروڈکٹس کے سامنے لکھا ہوتا..... ''تجرباتی مراحل میں۔'' لیکن یہ پروڈکٹس اس ملک کے علاوہ دوسرے ممالک میں استعمال ہو رہے تھے۔

تقریباً پچیس ہفتوں کے بعد اسے سربراہ نے شرفِ باریابی بخشا۔ کافی دیر کی گفتگو کے بعد سربراہ نے پوچھا۔

''تمھیں کبھی کوئی دِقّت پیش آتی ہے تو اس کا حل تمھارے پاس کیا ہوتا ہے؟''

www.taemeernews.com

''مجھے یہاں تمام لوگوں کا تعاون حاصل ہے، ہر شخص میری مدد پر آمادہ ہوتا ہے۔ مجھے اب تک کوئی خاص مشکل پیش نہیں آئی۔''

''کچھ پوچھنا چاہو گے؟'' سربراہ نے پوچھا۔

''جی ہاں۔اور شاید آپ ہی اس سوال کا جواب دے سکتے ہیں اور میں اس موقع کا منتظر بھی تھا۔'' وہ ایک لمحے کے لئے خاموش ہوا، غالباً وہ مناسب الفاظ کے انتخاب میں منہمک تھا۔

''کمپنی کے پروڈکٹس کی فہرست میں کچھ پروڈکٹس کے بارے میں لکھا ہے کہ اس ملک میں دستیاب نہیں یا یہ کہ ابھی تجرباتی مراحل میں ہے، جبکہ یہ پروڈکٹس میرے ملک میں اور اِس ملک کے علاوہ کئی دوسرے ممالک میں دستیاب ہیں.....''

سربراہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کر دیا۔''میں اسی بات کی توقع کر رہا تھا تم سے۔تم اس پر غور کرو۔تمھارے قیام کا نصف سے زیادہ عرصہ گزر چکا۔ یہاں کے نئے پروڈکٹس پر بھی ابھی تمھیں کام کرنا ہے، پھر ان نئے پروڈکٹس کو تم اپنے ملک میں متعارف کراؤ گے۔''

''لیکن میرا سوال.....؟''

''ہاں، تمھارا سوال.....'' سربراہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔''دراصل تمھارے سوال کی مطابقت تمھاری بنیادی تھیوری سے ہے۔اس مطابقت پر غور کرو۔ جواب تمھیں مل جائے گا۔''

اس نے اس ادارے کے تمام شعبوں میں کام کیا، پورے انہماک کے ساتھ جسے اس ادارے کے لوگوں نے بہت پسند کیا۔اس کی تندہی کو بے حد سراہا گیا۔اس نے محسوس کیا کہ چھٹی کے دنوں میں اس کے کام کرنے کو ادارے کے افراد نے پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا، لیکن وہ اپنے کام میں منہمک رہا۔وہ یہاں میسر سہولتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔

یہاں اس کے قیام کی مدت پوری ہوئی۔ادارے کی طرف سے اسے سند عطا کی گئی اور صرف سکریٹری ہی نہیں بلکہ سربراہ بھی اسے ہوائی مستقر پر الوداع کہنے پہنچ گیا۔

www.taemeernews.com

''او کے ینگ مین۔ میں سمجھتا ہوں اب تمھارے ذہن میں کوئی سوال تشنہ نہیں رہ گیا ہوگا۔'' سربراہ نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا۔

''سوال تو اب بھی تشنہ ہے۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

سربراہ شاید جواب نہیں سن پایا تھا۔ وہ اس کی پیٹھ تھپک کر اور ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا۔ سکریٹری اس کے ساتھ رہی۔ اس نے سر میں بھاری پن اور پیٹ میں کچھ گڑگڑاہٹ محسوس کی۔ اس نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر دو تین دواؤں کے نام لکھے اور سکریٹری کی طرف بڑھا دیا۔

''سفر طویل ہے اور میں سر اور پیٹ میں کچھ گرانی محسوس کر رہا ہوں۔ تم یہ دوائیں مجھے لا دو، ممکن ہے سفر کے دوران مجھے ان کی ضرورت محسوس ہو۔''

سکریٹری نے پرچہ لے کر پڑھا، اس کی آنکھوں میں الجھن بھی تھی اور حیرت بھی۔

''یہ دوائیں تو یہاں دستیاب نہیں، یہ تو ابھی تجرباتی مراحل میں ہیں۔'' بالآخر اس نے کہا۔

''لیکن تجربہ گاہ میں تو ان پر کوئی کام نہیں ہو رہا تھا!''

''ہاں، یہاں کا کام ختم ہو چکا ہے۔ انسانوں پر اس کے اثرات کا جائزہ لیا جانا باقی ہے۔''

''کیا مطلب ہے تمھارا..... یہ تو بہت دنوں سے ہمارے ملک میں استعمال ہو رہا ہے!''

سکریٹری نے بڑے معنی خیز انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

''تم بہت بھولے ہو..... یو گنی پگ.....'' سکریٹری نے اس کے گالوں کو تھپتھپایا۔

جہاز کی روانگی کا اعلان ہو رہا تھا اور مسافروں سے گزارش کی جا رہی تھی کہ وہ جہاز میں سوار ہو جائیں۔ وہ آہستہ آہستہ بوجھل قدموں سے روانگی کے گیٹ کی طرف بڑھا۔ کندھے سے لٹکا ہوا تحائف سے لدا اپنا بیگ اسے اچانک بہت بھاری محسوس ہونے لگا۔ اسے معلوم تھا سفر بہت طویل ہے.....

www.taemeernews.com

.....

..... اے خیام جدید دور کے ایک اہم افسانہ نگار ہیں۔ وہ بہت کم لکھتے ہیں۔ سال میں ایک یا دو افسانے اور ایک مخصوص سہ ماہی میں شائع ہوتے ہیں۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ سارے پاکستان کے قارئین ان کے نام اور افسانوں سے زیادہ واقف نہ ہوں، لیکن جو لوگ ان کے افسانوں سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان کے افسانوں میں کتنی ندرت اور انفرادیت ہے اور دورِ جدید کے علامت نگار ہونے کے باوجود ان کے افسانے کا ابلاغ کتنا آسان ہوتا ہے.....

——— شہزاد منظر

اے خیام

اے خیام ایک سچا فنکار ہے۔ جس نے بیسویں صدی کی اجتماعی کرب انگیز کروٹوں کو اس طرح محسوس کیا ہے۔ جس طرح سدھارتھ نے شخصی زندگی کے کرب انگیز واقعات کو محسوس کیا تھا۔ ——— وزیر آغا

ان (خیام) کے ہاں ابلاغ کا پہلو خاصا مضبوط ہے۔ وہ کم سے کم علامات کا سہارا لے کر اپنی سوچ، اپنی کیفیت، اپنی الجھن یا اپنے مسئلے کو قاری تک پہنچا دیتے ہیں۔ وہ یقیناً ہماری مستقبل کی امیدوں میں سے ہیں۔ ——— نظیر صدیقی

اے خیام کے افسانوں کی Theme میں جدت بھی ہے اور ندرت بھی۔ اس کے افسانے حجم کے اعتبار سے چاہے جتنے مختصر ہوں مگر اس کی Theme کا کینوس یقیناً بڑا ہوتا ہے۔ اے خیام نے اپنے افسانوں میں خیالوں اور زندگی کے مسائل کو زبان نہیں دی بلکہ اُن سے پیدا ہونے والے جذبات (Feelings & emotions) کو زبان دی ہے۔ ——— عثمان رمز

اے خیام واقعات اور واردات سے کہیں زیادہ کیفیات اور تاثرات کا کہانی کار ہے۔ اس کے افسانے میں ماجرا اور اس کے تار و پود کی اتنی اہمیت نہیں جتنی اس فضا اور ماحول کی ہے جس سے وہ ایک خاص تاثر کشید کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس کی اکثر کہانیوں میں خوف و دہشت کے واقعے تو بیان نہیں ہوتے لیکن خوف و دہشت سے سنسناتی ہلاکت آفریں فضا موجود ملتی ہے۔ ——— سید مظہر جمیل

تخلیقیت کے ساتھ ساتھ توازن اور طبع زادیت اس (خیام) کی ذات کے نمایاں جوہر ہیں۔ اسی لیے اس کے افسانے صحیح معنوں میں اوریجنل اور مکمل افسانے ہیں۔ اس کے افسانوں پر کسی اور چیز کا اور کسی اور کے ہونے کا گمان نہیں ہوتا۔ کم لکھنے کے باوجود اپنے ہم عصروں میں وہ بہت جینوئن، منفرد اور پُر اعتماد لکھنے والا ہے۔ ——— علی حیدر ملک

خیام اپنے افسانوں میں نہ تو اپنے گم گشتہ ماضی پر نوحہ کناں نظر آتا ہے اور نہ ہی آنے والے کل کی حدود میں کسی مخصوص نظریے کی بیساکھی کا سہارا لے کر چھلانگ لگانے کی سعی کرتا ہے۔ وہ اپنے living present میں ہی ہنستا، روتا اور زندگی جھیلتا ہوا مطمئن دکھائی دیتا ہے۔ ——— صبا اکرام